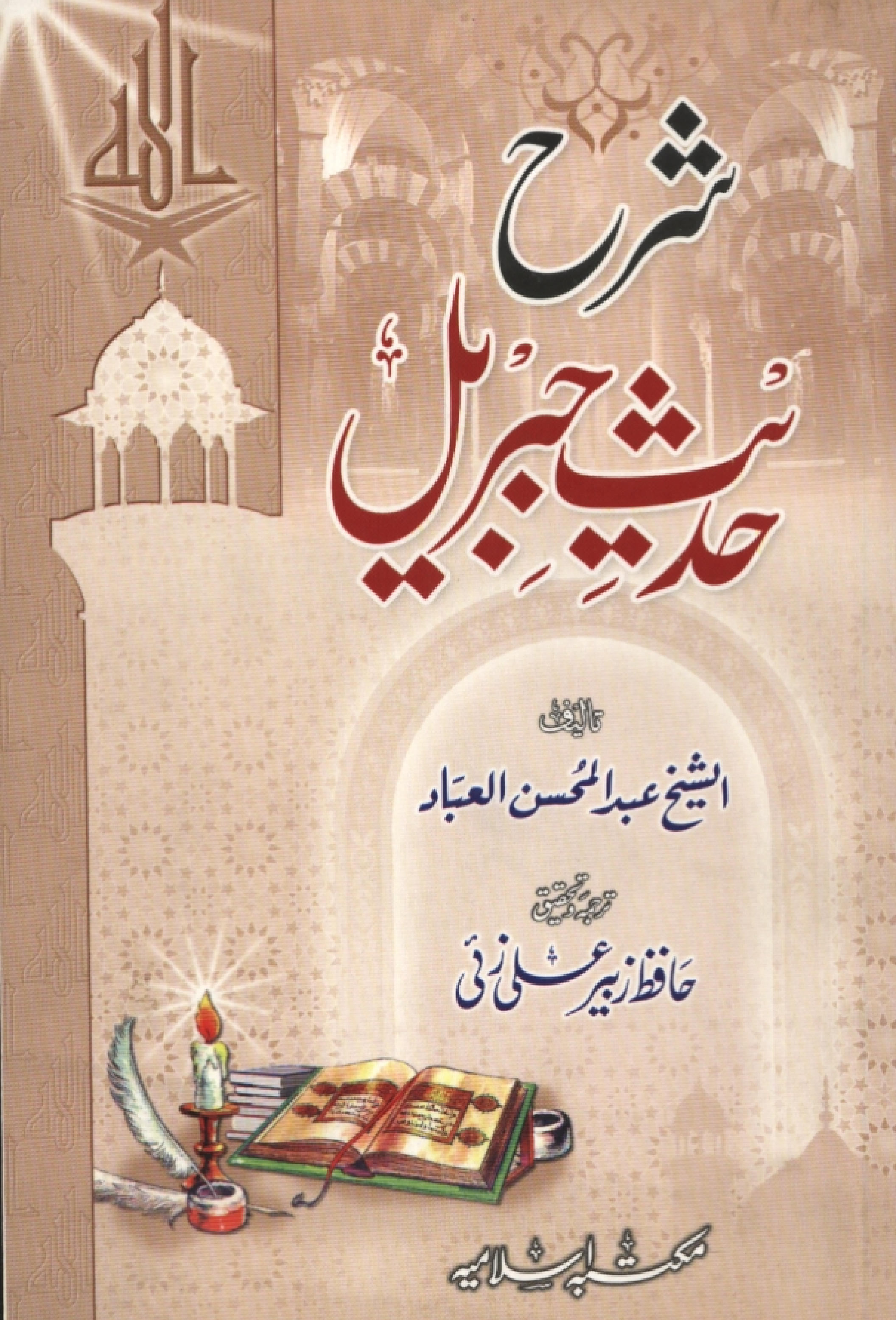


الله
شرح
حدیثِ جبریل
تالیف
الشیخ عبدالمحسن العباد
ترجمہ وتحقیق
حافظ زبیر علی زئی
مکتبہ اسلامیہ

نام کتاب	:	شرح حدیثِ جبرئیل (علیہ الصلاۃ والسلام)
مؤلف	:	شیخ عبد المحسن العباد (حفظہ اللہ)
ترجمہ	:	حافظ زبیر علی زئی (حفظہ اللہ)
صفحات	:	۱۴۷
ناشر	:	مکتبہ اسلامیہ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمارے لئے دین اسلام پسند کیا اور اپنی نعمت ہم پر پوری کر کے دین مکمل کر دیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ (معبود برحق) نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی الملک (بادشاہ) الحق، المبین ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک (سیدنا) محمد ﷺ اُس (اللہ) کے بندے اور رسول ہیں جنھیں اُس نے رحمۃ للعالمین [1] بنا کر بھیجا۔ پس آپ نے امانت ادا کر دی، اُمت کی خیر خواہی کی اور دین پہنچا دیا جیسا کہ پہنچانے کا حق ہے۔ اے اللہ! اپنے نبی پر درود وسلام بھیج، آپ پر، آپ کی آل، صحابہ اور قیامت تک آپ کی پیروی کرنے والوں پر برکتیں نازل فرما، **أما بعد:**

میں لمبے عرصے سے یہ چاہتا تھا کہ حدیثِ جبریل کی مستقل شرح لکھوں جس میں اسلام، ایمان اور احسان کا بیان کیا گیا ہے۔ اس حدیث کے آخر میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے: "**ھٰذا جبریل أتاکم یعلّمکم دینکم**" یہ جبریل تھے جو تمھارے پاس تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔

اللہ کے فضل سے اس شرح کا آغاز ۱۴۲۴ھ میں ہوا۔

علماء کی ایک جماعت سے اس حدیث کی بڑی شان منقول ہے۔ قاضی عیاض [2] کہتے ہیں: "یہ حدیث ظاہری و باطنی عبادات کی تمام شروط کی شرح پر مشتمل ہے، شروطِ ایمان،

---

[1] رحمت للعالمین کا لقب نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے۔ رشید احمد گنگوہی دیوبندی کا یہ کہنا کہ "لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں ہے۔" (فتاوی رشیدیہ ص ۲۱۸) غلط اور بلا دلیل ہے۔ غالباً اس غلط عقیدے کی بنیاد پر گنگوہی صاحب اپنے پیر حاجی امداداللہ صاحب کے بارے میں کہتے تھے کہ "ہائے رحمت للعالمین" (دیکھئے معارف گنگوہی ص ۵۱)

[2] اکمال المعلم بفوائد مسلم (ج ۱ ص ۲۰۴، ۲۰۵)

جسمانی عمل، دلوں میں خلوص اور آفاتِ اعمال سے بچاؤ، حتیٰ کہ شریعت کے سارے علوم اسی سے شاخ در شاخ نکلے ہیں اور اس کی طرف ہی لوٹتے ہیں......اس حدیث اور اس کی تینوں اقسام پر ہم نے اپنی کتاب ''**المقاصد الحسان فیما یلزم الإنسان** ''لکھی ہے۔ان تینوں اقسام سے واجبات، سنن، مستحبات، ممنوعات اور مکروہات میں سے کوئی چیز باہر نہیں ہے، واللہ اعلم'' (شرح النووی علیٰ صحیح مسلم ۱/۱۵۸)[شرح حدیث جبریل فی تعلیم الدین ص۵]

نووی نے کہا:

''جان لو کہ اس حدیث میں علوم، آداب اور لطائف کی اقسام جمع ہیں بلکہ یہ حدیث اسلام کی اصل ہے جیسا کہ ہم نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے'' [شرح النووی ۱/۱۶۰]

قرطبی کہتے ہیں کہ ''یہ حدیث اس لائق ہے کہ اسے ام السنۃ (سنت کی ماں) کہا جائے کیونکہ اس نے علمِ سنت کے (بنیادی) جملے اکٹھے کر لئے ہیں'' (فتح الباری ۱/۱۲۵)

[المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم (ج ۱ ص ۱۵۲)]

ابن دقیق [1] العید نے شرح الاربعین میں کہا:

''یہ حدیث سنت کی ماں کی طرح ہے جیسا کہ سورہ فاتحہ کو ام القرآن (قرآن کی ماں) کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں معانی قرآن جمع ہیں''

ابن رجب نے کہا: ''یہ عظیم حدیث سارے دین کی شرح پر مشتمل ہے، اسی لئے نبی ﷺ نے اس کے آخر میں فرمایا: یہ جبریل تھے جو تمھارے پاس تمھارا دین سکھانے آئے تھے، اس کے بعد آپ نے اسلام، ایمان اور احسان کے درجات بیان فرمائے اور ان سب کو دین قرار دیا'' [جامع العلوم والحکم ۱/۹۷ (ح ۲ ص ۳۵)]

میں نے اس شرح کا نام ''**شرح حدیث جبریل في تعلیم الدین**'' رکھا ہے۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس (کتاب) کے ذریعے (لوگوں کو) نفع پہنچائے اور تمام

---

[1] محمد بن علی بن وہب القشیری رحمہ اللہ (متوفی ۷۰۲ھ) ترجمۃ فی تذکرۃ الحفاظ للذہبی (۴/۱۴۸۱ ت ۱۱۶۸) ان کی کتاب ''شرح الاربعین'' ہمارے پاس نہیں ہے۔

لوگوں کو نفع بخش علم و عمل کے حصول کی توفیق دے، بے شک وہی سمیع (سننے والا) مجیب (دعا قبول فرمانے والا) ہے۔ [ص ٦]

حدیث جبریل علیہ السلام

یحییٰ بن یعمر (تابعی) سے روایت ہے:

''سب سے پہلے بصرہ میں معبد الجہنی [1] (ایک بدعتی) نے تقدیر (کے انکار) کے بارے میں کلام کیا تھا۔ پس میں اور حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری حج یا عمرے کے لئے (مکہ) گئے۔ ہم نے کہا: اگر رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی سے ہماری ملاقات ہو تو ہم ان سے تقدیر کے بارے میں پوچھیں۔ مسجد میں ہماری ملاقات (سیدنا) عبداللہ بن عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہما) سے ہو گئی۔ میں اور میرے ساتھی نے دائیں بائیں طرف سے آپ کو گھیر لیا (تاکہ آپ سے سوال کریں) میں یہ سمجھتا تھا کہ میرا ساتھی، گفتگو میرے حوالے ہی کرے گا، لہذا میں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن (یعنی عبداللہ بن عمر)! ہمارے پاس ایسے لوگ نکل آئے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور (بزعم خود) علم کی تلاش میں سرگرداں ہیں، اور ان کی حیثیت بیان کی، یہ لوگ یہ دعوی رکھتے ہیں کہ کوئی تقدیر نہیں ہے اور اُمور خود بخود ہو جاتے ہیں۔

انھوں (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: جب تمھاری ان لوگوں سے ملاقات ہو تو انھیں بتا دو کہ میں اُن سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔ [2] عبداللہ بن عمر اس کی قسم کھاتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے کوئی شخص اگر اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی (اللہ کے راستے میں) خرچ کر دے تو اللہ اسے قبول نہیں کرے گا حتیٰ کہ وہ تقدیر پر ایمان لے آئے۔ پھر انھوں نے فرمایا: مجھے میرے ابا (سیدنا) عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے حدیث بیان کی، فرمایا: ایک دن ہم رسول اللہ

---

[1] معبد بن خالد الجهني القدري: صدوق مبتدع و هو أول من أظهر القدر بالبصرة (تقریب التہذیب: ٦٧٧٧) قتل سنة ٨٠ھ

[2] سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک بدعتی نے سلام بھیجا تو انھوں نے اس کا جواب نہیں دیا تھا۔
(دیکھئے سنن الترمذی: ٢١٥٢ وسندہ حسن وقال الترمذی: ''هذا حديث حسن صحيح غريب'')

ﷺ کے پاس (بیٹھے ہوئے) تھے کہ ایک آدمی، کالے سیاہ بالوں والا، انتہائی سفید، صاف ستھرے کپڑے پہنے آنمودار ہوا، اس پر سفر کے اثرات نہیں تھے اور نہ ہم میں سے کوئی اُسے پہچانتا تھا۔ وہ شخص آ کر نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گیا، اُس نے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملا لئے اور اپنی ہتھیلیاں آپ کے گھٹنوں پر رکھ کر کہا: اے محمد (ﷺ) مجھے اسلام کے بارے میں بتائیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) اور محمد رسول اللہ ﷺ (محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) کی گواہی دے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اگر استطاعت ہو تو (ساری زندگی میں ایک دفعہ) بیت اللہ کا حج کرے۔ اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا ہے۔ ہم حیران ہوئے کہ (خود ہی) سوال کرتا ہے اور (خود ہی) تصدیق کرتا ہے۔

اس نے کہا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں، آپ نے فرمایا: (ایمان) یہ (ہے) کہ تو اللہ، اس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن اور خیر و شر کی تقدیر پر ایمان لائے، اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا ہے (پھر) کہا: مجھے احسان کے بارے میں بتائیں، آپ نے فرمایا: (احسان) یہ (ہے) کہ تو اللہ کی عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تُو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا: مجھے قیامت کے بارے میں بتائیں (کب آئے گی)؟

آپ نے فرمایا: جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس نے کہا: آپ مجھے اس کی نشانیاں بتا دیں۔ [ص ۷]

آپ (ﷺ) نے فرمایا: (نشانیوں میں سے) یہ (بھی ہے) کہ لونڈی اپنی مالکن کو جنے گی۔ اور تو دیکھے گا کہ ننگے پیر، ننگے بدن، غریب چرواہے (اونچی) کوٹھیوں میں تکبر کریں گے (اور اترائیں گے) پھر وہ شخص چلا گیا۔

میں تھوڑی دیر (ملیاً) چپ رہا، پھر آپ نے مجھے فرمایا: اے عمر! کیا تو جانتا ہے کہ یہ سائل کون تھا؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ (ﷺ)

نے فرمایا: یہ جبریل تھے جو تمھارے پاس تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔" [صحیح مسلم:۸]

تخریجِ حدیث

۱: حدیث جبریل کی اس سند ومتن کے ساتھ امام مسلم نے کتاب الإیمان کا آغاز کیاہے جو کہ صحیح مسلم کی پہلی کتاب ہے۔صحیح بخاری کی پہلی حدیث (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ہے"إنما الأعمال بالنیات" اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔(محیی السنۃ، امام) بغوی نے اپنی دونوں کتابوں "مصابیح السنۃ" اور"شرح السنۃ" کا آغاز صحیح بخاری کی حدیث سے کیا ہے اوراس کے بعد صحیح مسلم کی اس پہلی حدیث کو لکھا ہے۔اسی پر نووی نے کتاب الاربعین میں ان (بغوی) کی اتباع کی ہے۔اس حدیث کے مقام اور عظمتِ شان کے بارے میں بعض علماء کے اقوال مقدمے میں گزر چکے ہیں۔

۲: یہ حدیث مسندِ عمر سے ہے (یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ہے) صحیحین میں یہ روایت صرف صحیح مسلم میں ہے۔امام مسلم کے علاوہ اسے ابوداود (۴۶۹۵) ترمذی (۲۶۱۰) نسائی (۹۷/۸ ح ۴۹۹۳) ابن ماجہ (۶۳) ابن مندہ (کتاب الإیمان:۱/۱۴) طیالسی (۲۱) ابن حبان (الإحسان:۱/۱۹۸، ۱۹۹ ح ۱۷۳) الآجری (الشریعۃ ص ۱۸۸، ۱۸۹) ابویعلیٰ (۲۴۲) بیہقی (دلائل النبوۃ ۷/۶۹، ۷۰ وشعب الإیمان:۳/۳۹۷۳) بغوی (شرح السنۃ:۲) مروزی (تعظیم قدر الصلوٰۃ: ۳۶۳-۳۶۷) عبداللہ بن احمد (کتاب السنۃ: ۹۰۱، ۹۰۸) بخاری (خلق أفعال العباد: ۱۹۰) اورابن خزیمہ (۲۵۰۴) نے بیان کیا ہے جیسا کہ جامع العلوم والحکم (۱/۹۴) کی تعلیق اور مسندالإمام احمد (۳۶۷) کے حاشیے میں لکھا ہوا ہے۔

اس حدیث (کی اصل) میں (سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے بیان کرنے میں بخاری (۵۰) ومسلم (۹) متفق ہیں۔ [ص۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے (دوسرے) پانچ (چھ) صحابہ نے بھی بیان کیا ہے جن کا ذکر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کیا ہے (۱/۱۱۵، ۱۱۶)

ان (صحابہ) کی روایات (مع تخریج) درج ذیل ہیں۔

(۱) ابوذر رضی اللہ عنہ (ابوداود: ۴۶۹۸، النسائی ۱۰۱/۸ ح ۴۹۹۴ وإسنادہ صحیح)

(۲) ابن عمر رضی اللہ عنہ (احمد ۵۲/۱، ۵۳، ۱۰۷/۲ وھو صحیح بالشواھد)

(۳) انس رضی اللہ عنہ (البخاری فی خلق أفعال العباد: ۱۹۱ص ۳۸، البزار، الکشف: ۲۲ وقال ابن حجر: وإسنادہ حسن) ❶

(۴) جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ [ابوعوانہ ۳/۱ ب قلمی بحوالہ حاشیہ اتحاف المھرۃ ۵۶/۴ وسندہ موضوع، فیہ خالد بن یزید العمری وھو کذاب، ترجمۃ فی لسان المیزان (۳۸۹/۲)]

(۵، ۶) ابن عباس (احمد ۳۱۸/۱ ح ۲۹۲۶ و ۱۶۸/۴ وسندہ حسن، شہر بن حوشب حسن الحدیث) وابوعامر الاشعری رضی اللہ عنہما (احمد ۱۲۹/۴، ۱۶۴ اسندہ حسن وقال ابن حجر: وإسنادھما حسن)

فقہ الحدیث اور فوائد

۳: صحیح مسلم میں بیان شدہ حدیث سے پہلے یحییٰ بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری کے قصے میں (۹) فائدے ہیں:

اول: تقدیر کا انکار کرنے کی بدعت بصرہ میں، عہد صحابہ میں (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کی زندگی میں ظاہر ہوئی۔ آپ کی وفات تہتر ہجری (۷۳ھ) میں ہوئی تھی۔

دوم: مشکل اُمور میں واقع ہونے کے بعد تابعین معرفتِ حکم (اور حل) کے لئے صحابہ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، چاہے عقائد کا مسئلہ ہو یا نہ ہو۔ ہر مسلم پر یہی واجب ہے کہ وہ دینی اُمور کے لئے اہلِ علم کی طرف رجوع کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ پس اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔

[النحل: ۴۳، الانبیآء: ۷]

---

❶ وسندہ ضعیف، اس کا راوی ضحاک بن نبراس: لین الحدیث (یعنی ضعیف) ہے دیکھئے تقریب التہذیب (۲۹۸۰) ضعفه الجمهور

[تنبیہ از مترجم: اہلِ ذکر، علماء اور جاننے والوں کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں بلکہ اتباع ہے۔ اہلِ علم اسے کتاب وسنت واجماع بتائیں گے جس پر عمل کرنا واجب ہے۔ رہا مسئلہ اہلِ علم کی مختلف، متعارض ومتضاد آراء کا تو ان کی پیروی ممنوع اور دلیل پر عمل کرنا لازم ہے۔ صحیح بخاری میں اُن لوگوں کی سخت مذمت موجود ہے جو اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے، ارشاد ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے (ح ۷۳۰۷) اصول فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ عامی (نہ جاننے والے) کا مفتی (عالم) کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۸ص ۳۷-۴۲]

سوم: حج وعمرہ کرنے والوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ حرمین کی فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے، احکامِ دین میں مشکل اُمور کی معرفت کے لئے علماء کی طرف رجوع کریں اور تفقہ فی الدین (دین کی سُوجھ بوجھ) حاصل کریں جیسا کہ یحییٰ بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری کو اس قصے میں حاصل ہوا ہے۔ اوران پاک نتائج کی کوشش کریں جو اللہ کی توفیق سے بندے کو دین میں سُوجھ بوجھ والا بنا دیتے ہیں اور بندہ شر میں مبتلا ہونے سے بچ جاتا ہے۔

یزید الفقیر (تابعی) سے روایت ہے کہ مجھے خارجیوں کی ایک رائے بہت اچھی لگتی تھی۔ پس ہم ایک گنی چُنی ٹولی کے ساتھ حج کے لئے نکلے، پھر ہم لوگوں کے پاس گئے ۔

[ص ۹]

(یزید الفقیر نے) کہا: ہم مدینہ (طیبہ) میں جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس سے گزرے، وہ ایک ستون کے پاس بیٹھے، لوگوں کو رسول ﷺ کی حدیثیں سُنا رہے تھے۔ انھوں نے جہنمیوں کا ذکر کیا تو میں نے کہا: اے رسول اللہ کے صحابی! آپ کیسی حدیثیں بیان کرتے ہیں؟ اللہ (تو) فرماتا ہے کہ ﴿اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَہٗ ؕ﴾ بے شک تُو نے جسے آگ میں داخل کر دیا تو تُو نے اُسے رسوا کر دیا [آل عمران: ۱۹۲] اور ﴿کُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَاۤ اُعِیۡدُوۡا فِیۡهَا﴾ جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے،

انھیں اس میں لوٹا دیا جائے گا۔[السجدۃ:۲۰]
پس آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟
(جابر رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: کیا تو قرآن پڑھتا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: کیا تجھے (سیدنا) محمد ﷺ کا مقام معلوم ہے جو اللہ آپ کو عطا کرے گا؟ میں نے کہا: جی ہاں! انھوں نے فرمایا: یہ محمد ﷺ کا مقامِ محمود ہے، جس کے (عطا کرنے کے) ذریعے اللہ جن لوگوں کو (جہنم سے) نکالنا چاہے گا نکالے گا۔ پھر انھوں نے پلِ صراط کے نصب ہونے اور اس پر سے لوگوں کے گزرنے کا ذکر کیا۔ (یزید الفقیر نے) کہا: مجھے یہ ڈر ہے کہ میں اسے اچھی طرح یاد نہیں رکھ سکا سوائے اس کے کہ انھوں نے بتایا کہ ایک قوم آگ میں جلنے کے بعد نکلے گی، وہ (لوگ) اس طرح نکلیں گے گویا کہ کالی (جلی ہوئی) لکڑیاں ہیں۔ پھر وہ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر میں داخل ہو کر غسل کریں گے پھر اس طرح باہر نکلیں گے گویا (سفید) کاغذ ہیں۔

پس ہم نے (خارجیوں کی رائے سے) رجوع کر لیا۔ ہم نے کہا: تمھاری خرابی ہو! کیا یہ شیخ، رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بول رہے ہیں؟ اللہ کی قسم ہرگز نہیں، پس ہم سب نے سوائے ایک آدمی کے رجوع کر لیا، جیسا کہ اس حدیث کے راوی ابونعیم الفضل بن دکین نے فرمایا ہے۔[صحیح مسلم:۱۹۱]

اس ٹولی والے جو حج کے لئے آئے تھے اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ کبیرہ گناہ کرنے والے جہنم سے باہر نہیں نکلیں گے۔ کفار کے بارے میں نازل شدہ آیات کو انھوں نے مسلمانوں پر فٹ کر رکھا تھا، خارجیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ اس باطل عقیدے والے لوگ حج کے بعد اسے لوگوں میں پھیلانا چاہتے تھے لیکن اس بابرکت سفر میں اللہ نے اپنی توفیق سے ان کی ملاقات (سیدنا) جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما سے کرا دی تو انھوں نے ان لوگوں پر اُن کے فہم کا فساد واضح کر دیا۔ پس انھوں نے اپنے (باطل) عقیدے سے رجوع کر لیا سوائے ایک شخص کے جو باطل پر ڈٹا رہا۔

[ص۱۰]

علماء سے مسئلہ پوچھنے کے آداب

چہارم: اس قصے میں ادب کی (کئی) اقسام ہیں مثلاً دونوں آدمیوں کا (سیدنا) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کے دائیں بائیں ہو کر قریب ہونا، اس قربت کے ذریعے دونوں کے لئے (بآسانی) یہ ممکن ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ باتیں یاد رکھ سکیں، اسی طرح ان کا آپ (رضی اللہ عنہ) کو کنیت سے پکارنا باہمی خطاب میں یہ حسنِ ادب سے ہے، اسی طرح اپنے ساتھی کے حق (اور فضیلت) کا خیال رکھنا اور ان کی رضامندی کے بغیر ان سے باتوں میں مسابقت نہ کرنا۔ غالباً جب یحییٰ بن یعمر نے دیکھا کہ اُن کا ساتھی خاموش ہے، عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے کلام میں ابتدا نہیں کرتا تو وہ یہ سمجھے کہ وہ اس لئے خاموش ہے کہ یحییٰ بن یعمر بات کریں۔

پنجم: جس طرح کہ عالم اگر بیٹھا ہوا ہو تو اُس سے مسئلہ پوچھا اور علم حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح اگر وہ چل رہا ہو تو (بھی) اُس سے علم سیکھا اور مسئلہ پوچھا جا سکتا ہے کیونکہ ان دونوں تابعیوں نے (سیدنا) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مسئلہ پوچھا تھا، آپ نے انھیں چلتے ہوئے ہی جواب دیا تھا۔ صحیح بخاری کی کتاب العلم میں درج ذیل ابواب بھی موجود ہیں:

بـاب الفتيا و هو واقف على الدابة وغيرها (آدمی اگر سواری وغیرہ پر کھڑا ہو تو فتویٰ دینے کا باب)

باب السؤال والفتيا عند رمي الجمار (جمرات کو کنکریاں مارتے وقت سوال وجواب کا باب)

تقدیر پر ایمان

ششم: ان دونوں تابعین کے سوال کا عبداللہ رضی اللہ عنہما نے جو جواب دیا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر کا انکار سنگین (اور خوفناک) بدعت ہے۔

ابن رجب کہتے ہیں کہ تقدیر پر ایمان دو طرح کا ہے:

درجۂ اول: اس پر ایمان کہ بندے جو خیر، شر، اطاعت اور نافرمانی کے اعمال کریں گے، اُن کی پیدائش اور وقوع سے پہلے یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے (وہ سب جانتا ہے) کہ ان میں کون جنتی اور کون دوزخی ہے۔ اللہ نے ان کی تخلیق وتکوین سے پہلے ان کے اعمال کا بدلہ ثواب وعذاب کی صورت میں تیار کر رکھا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ نے اپنے پاس لکھ رکھا ہے اور اسے سب معلوم ہے۔ بندے وہی اعمال کرتے ہیں جو پہلے سے اللہ کے علم اور کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

درجۂ دوم: بندوں کے تمام افعال چاہے کفر ہو یا ایمان، اطاعت ہو یا نافرمانی، اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ اور وہ ان سے (ایمان واطاعت) چاہتا ہے۔ [ص ۱۱]

اہلِ سنت والجماعت اس (عقیدے) کا اقرار کرتے ہیں اور قدریہ (منکرین تقدیر) اس کا انکار کرتے ہیں۔ درجۂ اول کو بہت سے منکرینِ تقدیر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کے غالی حضرات جیسے معبد الجہنی، جس کے بارے میں ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے سوال ہوا تھا، اور عمرو بن عبید [1] وغیرہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ بہت سے ائمہ سلف نے کہا ہے کہ قدریہ سے علم پر مناظرہ کرو۔ اگر وہ اس کا اقرار کر لیں تو انھیں شکست ہو جائے گی اور اگر انکار کریں تو کفر کریں گے۔ (یعنی کافر ہو جائیں گے) ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کے علمِ قدیم کا انکار کرے جو بندوں کے افعال سے پہلے ہے اور یہ کہ بے شک اللہ نے بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے انھیں بدبخت اور خوش بخت میں تقسیم کر دیا ہے اور اسے اللہ نے اپنے پاس محفوظ کتاب میں لکھ دیا ہے، تو اس شخص نے قرآن کا انکار کیا لہٰذا اس سے وہ کافر ہو گیا۔

اور اگر وہ اس کا اقرار کریں اور اس کا انکار کریں تو اللہ نے اپنے بندوں کے افعال پیدا کئے اور اُن سے تکوینی تقدیری ارادہ چاہا (یعنی حق و باطل کے دونوں راستوں کا اختیار دے کر یہ چاہا کہ وہ حق پر چلیں) تو وہ (منکرینِ تقدیر) لاجواب ہو جائیں گے کیونکہ

---

[1] المعتزلي المشهور، كان داعياًإلىٰ بدعته، اتهمه جماعة مع أنه كان عابداً .
(تقریب التہذیب: ۵۰۷۱) بدعت کے ساتھ عابد والی بات مردود ہے۔

انھوں نے وہ چیز تسلیم کر لی ہے جس کا وہ انکار کر رہے تھے۔

ان لوگوں کی تکفیر میں علماء کے درمیان مشہور اختلاف ہے۔ شافعی، احمد [1] اور دوسرے ائمہ مسلمین اُس شخص کو کافر کہتے ہیں جو (اللہ کے) علمِ قدیم کا انکار کرتا ہے۔

[جامع العلوم والحکم ۱/۱۰۳، ۱۰۴]

ہفتم: شیطان دو طریقوں سے لوگوں کو گمراہ کرتا اور بہکاتا ہے۔ جو لوگ (اللہ و رسول کی) اطاعت سے اعراض اور تقصیر کے مرتکب ہیں اُن کے لئے شہوات کو خوش نما بنا کر پیش کرتا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ((**حفت الجنة بالمكاره و حفت النار بالشهوات**)) جنت کو تکلیف دہ اعمال اور جہنم کو شہوات کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا ہے۔

[صحیح البخاری: ۶۴۸۷ و صحیح مسلم: ۲۸۲۲]

[یعنی جنت جانے کے لئے نیک اعمال ضروری ہیں چاہے انسان انھیں ناپسند کرے اور جو لوگ شہوات و خواہشات کے پجاری ہیں جہنم ان کی منتظر ہے]

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿**فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ**﴾ پس تم میٹھی بات نہ کرو تاکہ جس شخص کے دل میں بیماری ہے وہ کوئی طمع نہ قائم کر لے۔ [الاحزاب: ۳۲]

جو شخص اطاعت و عبادت والا ہوتا ہے تو شیطان اس کے پاس غُلو اور شبہات کے ساتھ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿**هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ**﴾ اسی نے آپ پر کتاب نازل کی ہے، اس میں محکم آیات ہیں جو کہ اُم الکتاب ہیں اور دوسری (آیات) متشابہات ہیں۔ جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہوتے ہیں وہ فتنہ اور (باطل) تاویل کے لئے متشابہات کی

---

[1] ان اقوال کی اسانید و حوالے قابلِ تلاش ہیں۔

پیروی کرتے ہیں۔[آل عمران:۷]

(سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: [ص۱۲]

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی تو فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تو ان سے بچو انھی کا اللہ نے (قرآن میں) ذکر کیا ہے''

[البخاری:۴۵۴۷ومسلم:۲۶۶۵]

اسی میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً﴾ ان کے دلوں میں مرض ہے پس اللہ نے (اس) مرض کو زیادہ کر دیا۔[البقرۃ:۱۰]

اللہ فرماتا ہے کہ ﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْساً اِلٰی رِجْسِهِمْ﴾ اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے تو اُن کی پلیدی ہی پلیدی زیادہ ہوتی ہے۔[التوبۃ:۱۲۵]

جن لوگوں کے بارے میں ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے پوچھا گیا تھا، یحییٰ بن یعمر نے یہ کہتے ہوئے بتایا کہ یہ لوگ عبادت کرنے والے ہیں: ''ہمارے پاس ایسے لوگ نکل آئے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور (بزعم خود) علم کی تلاش میں سرگرداں ہیں، اور ان کی حیثیت بیان کی''

یہ اور اُن کی طرح کے مبتدعین کی یہی حالت ہوتی ہے کہ شیطان آکر شبہات کے ذریعے انھیں بہکاتا ہے اور گمراہ کر دیتا ہے۔

ہشتم: مفتی کو چاہیے کہ فتوے کے ساتھ دلیل بھی بیان کرے کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان (گمراہ) لوگوں کے بارے میں اپنا فیصلہ سُنایا اور اعلان برأت کیا پھر اس (فتوے) کی دلیل کے طور پر حدیثِ جبریل بیان کی جس میں اصولِ ایمان مذکور ہیں (مثلاً) ایمان بالقدر۔

نہم: امام مسلم رحمہ اللہ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ سند و متن کے الفاظ کی خاص حفاظت کرتے تھے۔ انھوں نے یہ حدیث بغیر کسی اختصار یا ٹکڑے کرنے کے بیان کی۔ اسی لئے انھوں نے

یہاں حدیث جبریل پوری بیان کی، تقدیر پر ایمان کے مسئلے پر اکتفا کرتے ہوئے اسے مختصر بیان نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

''صحیح مسلم میں امام مسلم کو بہت ہی عظیم فضیلت حاصل ہے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اس وجہ سے بعض لوگ اسے صحیح بخاری پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ یہ اس لئے کہ انھوں نے سنے ہوئے الفاظ کی ادائیگی پر حفاظت کرتے ہوئے، روایت بالمعنیٰ اور ٹکڑے کرنے کے بغیر اسانید اور بہترین متون کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ نیشاپوریوں میں سے بہت سے لوگوں نے یہ طریقہ اپنانے کی کوشش کی ہے مگر منزل مراد تک نہ پہنچ سکے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، بیس سے اوپر اماموں نے صحیح مسلم پر مستخرجات لکھے ہیں، پس پاک ہے وہی جو دینے والا (اور) بخشنے والا ہے'' [تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۱۲۵] [ص ۱۳]

۴: حدیث کے یہ الفاظ ''ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس (بیٹھے ہوئے) تھے کہ ایک آدمی، کالے سیاہ بالوں والا، انتہائی سفید صاف ستھرے کپڑے پہنے آنمودار ہوا۔ اس پر سفر کے اثرات نہیں تھے اور نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔ وہ شخص آ کر نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملا لئے اور اپنی ہتھیلیاں آپ کی رانوں پر رکھ دیں، پھر اُس نے آپ سے اسلام، ایمان، احسان، قیامت اور اس کی نشانیوں کے بارے میں سوالات کئے۔ آپ (ﷺ) نے اس کے بعد فرمایا: ''یہ جبریل تھے جو تمھارے پاس تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔''

اس میں کئی فوائد ہیں:

اول: صحیح بخاری (۵۰) وصحیح مسلم (۹) میں آیا ہے کہ (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: ''ایک دن نبی ﷺ لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔''

سنن ابی داود (۴۶۹۸) میں صحیح سند کے ساتھ (سیدنا) ابوذر اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس بیٹھتے تھے تو آنے والا اجنبی یہ نہیں جانتا تھا کہ آپ کون ہیں، اسے پوچھنا پڑتا تھا۔ پس ہم نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ہم آپ کے لئے ایک مجلس بنانا چاہتے ہیں تاکہ آنے والا اجنبی (بھی) آپ کو پہچان لے...... پس ہم نے آپ کے لئے مٹی کا ایک چبوترہ بنایا تو آپ وہاں بیٹھتے اور ہم آپ کے اردگرد بیٹھتے تھے''

اس حدیث میں اس کی دلیل ہے کہ معلّم (استاد) کے لئے بلند مقام ہونا چاہیے تاکہ پتہ بھی چل جائے اور تمام حاضرین اسے دیکھ سکیں۔ خاص طور پر جب لوگ زیادہ ہوں تو اس طریقے سے سب اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

دوم: فرشتے انسانوں کے پاس انسانی شکل میں آتے تھے۔ اسی طرح قرآن میں آیا ہے کہ جبریل (علیہ السلام) مریم (علیہا السلام) کے پاس انسانی شکل میں آئے تھے۔ (سیدنا) ابراہیم اور لوط (علیہما السلام) کے پاس فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے۔ اللہ کی قدرت کے ساتھ فرشتے اپنی اصل صورت سے انسانی شکل میں متشکل ہو سکتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خلقتِ ملائکہ کے بارے میں فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ﴾ سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اُسی نے فرشتے ایلچی بنائے ہیں دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے۔ [فاطر:۱]

صحیح بخاری (۴۸۵۷) اور صحیح مسلم (۲۸۰) میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے جبریل (علیہ السلام) کو (ان کی اصلی صورت میں) دیکھا تھا، ان کے چھ سو پر تھے۔ [ص۱۴]

فرشتوں کی طرح جن بھی انسانی شکل میں آسکتے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری (۲۳۱۱) میں (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ ایک (جن/شیطان) اُن کے پاس آتا اور غلے کے ڈھیر سے غلہ چرانے کی کوشش کرتا۔ جس طرح جن انسانی شکل میں آسکتے

ہیں اسی طرح وہ سانپوں کی شکل میں بھی آ سکتے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم (۲۲۳۶) کی حدیث سے ثابت ہے۔ فرشتے اور جن اپنی اصل صورت میں انسانوں کو دیکھتے ہیں لیکن انسان انھیں نہیں دیکھ سکتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ﴿اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ﴾

بے شک وہ (شیطان) اور اس کا قبیلہ تمھیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھ سکتے۔ [الاعراف: ۲۷]

سوم: جبریل (علیہ السلام) کا انسانی شکل میں آنا، موجودہ دور کی اداکاری اور ایکٹنگ کے جواز کی دلیل نہیں ہے۔ یہ اداکاری اور ایکٹنگ تو جھوٹ کی ایک قسم ہے۔ جبکہ جبریل (علیہ السلام) اپنی اصل حالت وخلقت جس میں ان کے چھ سو پر ہیں، سے اللہ کی قدرت اور اجازت سے انسانی شکل میں تبدیل ہو گئے تھے۔

چہارم: جبریل کا رسول اللہ ﷺ کے پاس آنا اور آپ کے سامنے بیٹھ جانا اس بات کا بیان ہے کہ طالب علموں کو استاد کے سامنے آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔ اور (مثلاً) سائل کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کو وہ صرف اسی چیز کے بارے میں سوال کرے جسے وہ نہیں جانتا بلکہ یہ مناسب ہے کہ اگر وہ جانتا بھی ہے تو حاضرین کو سمجھانے کے لئے سوال کرے۔ اسی لئے رسول ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں لوگوں کی تعلیم جبریل (علیہ السلام) کی طرف منسوب کی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے ''بے شک یہ جبریل تھے جو تمھارے پاس تمھارا دین سکھانے آئے تھے''، تعلیم تو نبی ﷺ نے بذاتِ خود دی ہے لیکن اسے اس لئے جبریل سے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ اس تعلیم کا سبب بنے تھے۔

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے پوچھو، تو لوگ سوال کرنے سے ڈر گئے، پھر ایک آدمی آیا تو اس نے سوالات کئے، اور اس حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جبریل ہیں، جب تم نے سوالات نہیں کئے تو انھوں نے تمھیں (دین) سکھانا چاہا'' [صحیح مسلم: ۱۰]

پنجم: صحیحین میں اس بات کا کوئی ذکر ❶ نہیں ہے کہ جب نبی ﷺ کے پاس جبریل (علیہ السلام) تشریف لائے تو انھوں نے سلام کیا تھا یا نہیں؟ جبکہ سنن ابی داود میں (سیدنا) ابو ہریرہ اور (سیدنا) ابوذر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے، جس کا ابھی اشارہ گزر چکا ہے (الاصل ص ۱۴)

[ص ۱۵]

پس ایک آدمی آیا۔ انھوں نے اُس کی حالت بیان کی۔ حتیٰ کہ اُس نے مجلس کے کنارے سے سلام کیا۔ اس نے کہا: **السلام علیک یا محمد!** تو نبی ﷺ نے سلام کا جواب دیا (۴۶۹۸)

ششم: حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ''اگر کہا جائے کہ (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) کو کیسے پتہ چل گیا کہ اس آدمی کو کوئی نہیں پہچانتا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے انھوں نے ایسا گمان کیا ہو یا حاضرین میں سے کسی نے صراحتاً انھیں یہ بتایا ہو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دوسرا احتمال زیادہ صحیح ہے کیونکہ عثمان بن غیاث (ایک راوی) کی روایت میں آیا ہے کہ لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر کہا: ہم اس کو نہیں جانتے۔'' [فتح الباری ۱/۱۱۶، ۱۱۷]

یہ روایت مسند احمد (۱/۲۷ ح ۱۸۴ وسندہ صحیح) میں ہے۔

ہفتم: نووی نے شرح صحیح مسلم (۱/۱۵۷) میں یہ ذکر کیا ہے کہ ''**فخذیہ**'' (دونوں گھٹنے) کی ضمیر جبریل (علیہ السلام) کی طرف راجع ہے۔ دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ نبی ﷺ کی طرف راجع ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

''سلیمان التیمی کی روایت میں آیا ہے کہ اس شخص پر سفر کی حالت نہیں تھی اور نہ وہ اس علاقے (مدینے) کا تھا پس وہ قدم اُٹھاتے ہوئے نبی ﷺ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا جس طرح کہ ہم نماز میں بیٹھتے ہیں۔ پھر اس نے نبی ﷺ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ

---

❶ اگر نصوصِ کتاب وسنت واجماع میں سے کسی ایک دلیل میں کسی چیز کا اثبات مذکور ہو اور دوسری بہت سی نصوص میں اُس چیز کا ذکر موجود نہ ہو تو پھر عدمِ ذکر نفیِ ذکر کی دلیل نہیں ہوتا بلکہ ثقہ وصدوق کی زیادت کو ہی ترجیح ہوتی ہے۔

دیا۔ اور اسی طرح ابن عباس اور ابو عامر الاشعری کی حدیث میں آیا ہے کہ پھر اُس نے نبی ﷺ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ "علٰی فخذیه" (گھٹنوں پر) کی ضمیر نبی ﷺ کی طرف راجع ہے۔ (آپ ﷺ کے گھٹنوں پر جبریل علیہ السلام نے ہاتھ رکھے تھے) اور یہی بات بغوی اور اسماعیل التیمی نے بطورِ جزم، اس روایت کے بارے میں کہی ہے۔ اور طیبی نے بحث و تحقیق کر کے اسے ہی راجح قرار دیا ہے۔ کلام کے سیاق و سباق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بات نووی اور تورپشتی کے جزم کے خلاف ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جبریل آپ ﷺ کے سامنے طالب علم کی طرح بیٹھ گئے تھے۔ اگرچہ سیاق سے یہی ظاہر ہے لیکن ان کا آپ ﷺ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کُلی طور پر آپ کی طرف متوجہ ہیں۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر سائل زیادتی بھی کرے تو عالم کو چاہئے کہ تواضع سے کام لے اور درگزر کرے۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس طریقے سے جبریل علیہ السلام نے اپنے آپ کو خفیہ رکھنے میں مبالغہ کیا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ پوچھنے والا خشک مزاج اعرابیوں (دیہاتیوں، خیمہ بدوشوں) میں سے ہے۔ اسی لئے وہ قدم اُٹھاتے ہوئے اور لوگوں کو پھلانگتے ہوئے نبی ﷺ کے پاس آ گئے تھے۔" [فتح الباری ۱/۱۱۶] [ص ۱۶]

سنن نسائی [۸/۱۰۱ ح ۴۹۹۴ و إسناده صحیح] میں ہے کہ انھوں (جبریل علیہ السلام) نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے گھٹنوں پر رکھا تھا۔

اسلام اور ایمان

۵: حدیث کے یہ الفاظ "اس نے کہا: اے محمد (ﷺ) مجھے اسلام کے بارے میں بتائیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) اور محمد رسول اللہ ﷺ (محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) کی گواہی دے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اگر استطاعت ہو تو (ساری زندگی

میں ایک دفعہ) بیت اللہ کا حج کرے۔ اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا ہے۔ ہم حیران ہوئے کہ (خود ہی) سوال کرتا ہے اور (خود ہی) تصدیق کرتا ہے، اس میں (کئی) فائدے ہیں:

اول: جبریل (علیہ السلام) نے جب اسلام کے بارے میں پوچھا تو نبی ﷺ نے انھیں ظاہری اُمور کے بارے میں بتایا اور جب انھوں نے ایمان کی بابت پوچھا تو آپ نے انھیں باطنی اُمور کے متعلق بتایا۔ اسلام اور ایمان کے الفاظ اگر اکٹھے ذکر کئے جائیں تو اِن کے معنی میں فرق ہوتا ہے۔ چونکہ (اسلام وایمان) یہاں اکٹھے مذکور ہیں لہذا اسلام کی تفسیر ظاہری اُمور سے کی گئی ہے اور یہی اسلام کے معنی سے مناسب ہے۔ اسلام، اللہ کے لئے سرِ تسلیم خم کردینے اور فرماں برداری کا نام ہے۔ ایمان کی تفسیر باطنی اُمور سے کی گئی ہے اور یہ اس کے معنی سے مناسب ہے۔ (دل، زبان اور عمل سے) تصدیق واقرار کو ایمان کہتے ہیں۔ جب اسلام اور ایمان کا مفرداً (علیحدہ علیحدہ) ذکر کیا جائے تو ظاہری و باطنی اُمور کے دونوں معنی مراد ہوتے ہیں۔ اسلام کا مُفرد (علیحدہ) ذکر اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے کہ ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ جس نے اسلام کے سوا دوسرا دین چاہا تو اُس سے وہ (دین) قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ [آل عمران: ۸۵]

ایمان کا مفرد ذکر اس آیت میں آیا ہے کہ ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ جس نے ایمان کے ساتھ کفر کیا تو اُس کا (ہر) عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ [المآئدۃ: ۵]

اس کی مثال فقیر و مسکین اور بر و تقویٰ وغیرہ کے الفاظ ہیں۔

لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی

دوم: امورِ اسلام کی تفسیر میں پہلا اَمر لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی دو گواہیاں

ہیں۔اور یہ دونوں گواہیاں باہم لازم وملزوم ہیں۔
آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک ہر انسان اور ہر جن پر کلمۂ شہادت کا اقرار کرنا فرض ہے۔ [ص ۱۷]
پس جو شخص آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا وہ شخص دوزخی ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:
((والذي نفس محمد بيده! [1] لايسمع بي أحد من هٰذه الأمة يهودي ولانصراني،ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار)) اس ذات (اللہ) کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس امت (اُمتِ دعوت) میں سے جو بھی میرے بارے میں سن لے، چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی، پھر وہ جس دین کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے، پر ایمان نہ لائے تو وہ شخص دوزخی ہے۔
[صحیح مسلم:۲۴۰]

لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کی گواہی کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ یہ کلمہ اخلاص، دو ارکان پر مشتمل ہے۔ اس کے شروع میں عام (معبودوں) کی نفی ہے اور آخر میں خاص (معبود برحق) کا اثبات ہے۔شروع میں اللہ کے سوا ہر معبود کی نفی ہے اور آخر میں صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا اثبات ہے۔لا نفی جنس کی خبر ''حق'' مقدر ہے اس کی خبر کو ''موجودٌ'' سے مقدر کرنا صحیح نہیں کیونکہ باطل الٰہ (معبود) تو کثرت سے موجود ہیں۔یہاں تو صرف اُلوہیت حقہ (معبود برحق) کی نفی کی گئی ہے کیونکہ صرف اللہ ہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔

محمد رسول اللہ (محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) کی گواہی کا یہ معنی ہے کہ مخلوقات میں، ہر محبوب سے زیادہ آپ سے محبت کی جائے۔آپ کے تمام احکام میں آپ کی اطاعت کی

---

[1] یہاں پر یَدٌ کا معنی قدرت کرنا باطل ہے۔کیونکہ قدرت اللہ کی الگ صفت ہے۔جب یَدٌ کا معنی قدرت کیا جائے تو اللہ کی صفت یَدٌ (اللہ کا ہاتھ ہونے) کا انکار ہو گیا۔اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو بلاتمثیل، بلاتاویل، بلاتشبیہ، بلاتکییف اور بلاتعطیل ماننا سلف صالحین کا منہج ہے۔ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یَدٌ (ہاتھ) ہے۔جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے، مخلوق سے مشابہ نہیں ہے۔

جائے۔اوران تمام اُمور سے کلیتًا رکا جائے جن سے آپ نے منع کیا ہے۔اورآپ کی بیان کردہ تمام خبروں کی تصدیق کی جائے چاہے یہ خبریں ماضی کے متعلق ہوں یا حال اور مستقبل سے۔یہ ایسی خبریں ہیں جن کا ذریعہ مشاہدہ اور معائنہ نہیں ہے(بلکہ وحی ہے)اور آپ جوحق وہدایت لے کرآئے ہیں،اُس کے مطابق اللہ کی عبادت کی جائے۔

لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی کا یہ تقاضا ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جو دین لے کر آئے ہیں اُس کے مطابق،خالص اللہ کے لئے عمل کیا جائے۔

ہر عمل جس کے ساتھ اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے،اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ خالصتاً اللہ کے لئے اور رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سنت کے مطابق ہو۔جب اخلاص نہ ہو تو عمل مقبول نہیں ہوتا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ انھوں نے جو اعمال کئے ہوں گے ہم اُن کے سامنے لاکر انھیں ہوا میں اُڑا دیں گے۔ [الفرقان:۲۳]

حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:((**أنا أغنى الشركاء عن الشرك، من عمل عملاً أشرك فيه معي غيري تركته وشركه**)) میں تمام شریکوں کے شرک سے بے نیاز ہوں جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرلیا تو میں اسے اوراس کے شرک کو چھوڑ (کر ڈھیل) دیتا ہوں۔

[صحیح مسلم:۲۹۸۵][ص۱۸]

[فائدہ: صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں سے بعض لوگ شرکِ اکبر کا بھی ارتکاب کریں گے۔نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ((**ولا تقوم الساعة حتٰى تلحق قبائل من أمتي بالمشركين و حتٰى تعبد قبائل من أمتي الأوثان**)) اور قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے (کچھ) قبیلے مشرکین سے جاملیں گے اور (قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ) میری اُمت کے (کچھ) قبیلے اَوثان (بتوں،قبروں وغیرہ) کی عبادت کریں گے (سنن ابی داود:۴۲۵۲ وسندہ صحیح ،**أبو قلابة**

برئ من التدليس والحمدلله)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ما أخاف عليكم أن تشركوا بعدي '' مجھے اس کا ڈر نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرو گے [صحیح البخاری:۱۳۴۴]

اس حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں کہ ''أي علٰى مجموعكم ، لأن ذلک وقع من البعض أعاذنا الله تعالیٰ ''یعنی تم مجموعی طور پر (بالاجماع) شرک نہیں کرو گے، کیونکہ بعض سے (شرک کا) یہ فعل واقع ہوا ہے، اللہ ہمیں اس سے بچائے (فتح الباری ۲۱۱/۳) یعنی ساری اُمت مجموعی طور پر شرک نہیں کرے گی، بلکہ اُمت میں سے بعض لوگ شرک کریں گے۔ نیز دیکھئے ارشاد الساری للقسطلانی (۴۴۰/۲) وشرح الکرمانی (۱۲۳/۷) وعمدۃ القاری للعینی (۱۵۷/۸) وشرح النووی علیٰ صحیح مسلم (۲۵۰/۲) وصحیح بخاری درسی (۱۷۹/۱) وشرح صحیح مسلم / غلام رسول سعیدی بریلوی (۷۳۸/۶) وما علینا إلا البلاغ / مترجم]

اگر (آپ ﷺ کی) اتباع نہ ہو تو بھی عمل مردود ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ہمارے دین میں وہ (کام) نکالا جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے'' [البخاری:۲۶۹۷ ومسلم:۱۷۱۸]

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ ((من عمل عملاً لیس علیه أمرنا فهو رد)) جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ مردود ہے (۱۷۱۸)

یہ جملہ پہلے جملے سے زیادہ عام ہے کیونکہ جو شخص بذاتِ خود بدعت نکالے اور اس پر عمل کرے یا کسی اور کی نکالی ہوئی بدعت پر عمل کرے، سب اس روایت کے (مفہوم وعموم) میں شامل ہیں۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر خالص اللہ کے لئے عمل ہو اور سنت پر مبنی نہ ہو، کرنے والے کی نیت وارادہ اچھا ہو تو یہ عمل اچھا اور نفع بخش ہے۔ اس (کی تردید) کے لئے وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ جس میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے نمازِ عید سے پہلے اپنی قربانی ذبح کر لی تھی تو رسولِ کریم ﷺ نے اُس سے فرمایا: ((شاتک شاة لحم)) تیری بکری

گوشت کے لئے ہے [یعنی تیری قربانی نہیں ہوئی][صحیح بخاری:٥٥٥٦وصحیح مسلم:١٩٦١]
رسول اللہ ﷺ نے اسے قربانی قرار نہیں دیا کیونکہ یہ اپنے وقت سے پہلے ذبح کی گئی تھی۔ قربانی کا وقت تو نمازِ عید کے بعد شروع ہوتا ہے۔

حافظ (ابن حجر العسقلانی) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

''شیخ ابو محمد (عبداللہ بن سعد بن احمد) بن جمرہ (الازدی الاندلسی) نے فرمایا: اس میں یہ (دلیل) ہے کہ عمل اگرچہ اچھی نیت کے مطابق ہو، اس وقت تک صحیح (ومقبول) نہیں ہوتا جب تک شریعت کے مطابق نہ ہو'' [فتح الباری ١٠/١٧]

سنن دارمی (١/٦٨، ٦٩ ح ٢١٠ وسندہ حسن) میں ہے کہ (سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے پاس رکے جو مسجد میں حلقے بنائے ہوئے (بیٹھے) تھے اور ان کے سامنے کنکریاں تھیں۔ ان لوگوں میں سے ایک کہتا: سو دفعہ تکبیر کہو، تو وہ سو دفعہ تکبیر کہتے، پھر وہ کہتا: سو دفعہ لا الٰہ الا اللہ کہو تو وہ سو دفعہ لا الٰہ الا اللہ کہتے۔ اور کہتا: سو دفعہ تسبیح پڑھو تو وہ سو دفعہ تسبیح پڑھتے (سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! ہم کنکریوں پر تکبیر، لا الٰہ الا اللہ اور تسبیح گن رہے ہیں۔ انھوں (سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اپنے گناہوں کو لپیٹ لو (اور ختم کرو) تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمھاری کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔

اے محمد ﷺ کی اُمت (کے بعض لوگو) تمھاری خرابی ہو، کتنی تیزی سے تم ہلاکت کی طرف بھاگ رہے ہو! تمھارے نبی ﷺ کے یہ صحابہ کثرت سے موجود ہیں۔ آپ ﷺ کے (ابھی استعمال شدہ) کپڑے نہیں پھٹے اور آپ کے برتن نہیں ٹوٹے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (کیا) تم (سیدنا) محمد ﷺ کی ملت سے زیادہ ہدایت والی کسی ملت پر ہو یا گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو؟ انھوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! اللہ کی قسم ہمارا ارادہ تو صرف خیر کا ہی تھا۔ انھوں نے فرمایا: کتنے ہی لوگ خیر چاہتے ہیں مگر خیر انھیں ملتی ہی نہیں۔

اس اثر کو (شیخ) البانی نے السلسلۃ الصحیحۃ (۲۰۰۵) میں ذکر کیا ہے۔ [ص۱۹]

نماز

سوم: شہادتین (لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ) کے بعد اسلام کے ارکانِ خمسہ میں اہم ترین نماز ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام کا ستون قرار دیا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی (سیدنا) معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کو وصیت والی حدیث میں مذکور ہے۔

[دیکھئے کتاب الاربعین للنووی، حدیث:۲۹]

آپ ﷺ نے یہ پیشن گوئی فرمائی کہ اُمورِ دین میں سب سے آخر میں نماز اُٹھائی جائے گی اور قیامت کے دن سب سے پہلے بندوں کا حساب اس (نماز) کے ساتھ کیا جائے گا، دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی (۱۷۳۹، ۱۳۵۸، ۱۷۴۸)

اور یہ (نماز) مسلم اور کافر کے درمیان تمیز (فرق) کرتی ہے۔ [دیکھئے صحیح مسلم:۱۳۴]

نماز کی اہمیت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ پر اس وقت پانچ نمازیں فرض کیں جب آپ معراج والی رات آسمان پر تھے، جیسا کہ احادیثِ معراج میں آیا ہے۔

جہنمیوں سے جب جہنم میں داخل ہونے کا سبب پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے:

﴿لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ﴾

ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے [المدثر:۴۳] الآیات (الخ) بے شک نماز فحاشی (بے حیائی) اور منکر سے منع کرتی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ط اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط﴾ اور نماز قائم کرو، بے شک نماز فحاشی اور منکر سے روکتی ہے [العنکبوت:۴۵] اور یہ (نماز) رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیتوں میں سے ہے۔ ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مرضِ وفات میں فرماتے تھے:

''الصلوٰة وما ملكت أيمانكم'' نماز کا خاص خیال رکھو اور غلاموں کا خاص خیال رکھو۔ آپ بار بار یہی فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ وفات پا گئے۔ (ﷺ)

انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو حالتِ وفات میں آپ کی عام وصیت یہ تھی ''نماز کا خاص خیال رکھو اور غلاموں کا خاص خیال رکھو'' علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا آخری کلام یہ تھا: ''نماز کا خاص خیال رکھو اور غلاموں کا خاص خیال رکھو'' یہ صحیح احادیث ہیں، انھیں ابن ماجہ (۱۶۲۵، ۲۶۹۷، ۲۶۹۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

جب اللہ نے سورۃ المؤمنون اور سورۃ المعارج میں مومنین کی صفات کا ذکر کیا تو ان کی ابتدا نماز سے کی اور اختتام بھی نماز پر ہی کیا۔ سورہ مؤمنون میں اللہ نے فرمایا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴾ یقیناً مومنین کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع (عاجزی) کرتے ہیں۔ [المؤمنون: ۱، ۲] [ص۲۰]

اور آخر میں فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ﴾ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ [المؤمنون: ۹]

سورۃ المعارج میں ارشاد ہے کہ ﴿اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۙ﴾

سوائے نمازیوں کے جو ہمیشہ (پابندی سے) نمازیں پڑھتے ہیں۔ [المعارج: ۲۲، ۲۳]

اور آخر میں فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۭ﴾ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ [المعارج: ۳۴]

نماز کی ادائیگی دو حالتوں پر ہوتی ہے۔ ایک واجب (طور پر) وہ یہ کہ کم از کم اسے واجبات (فرائض) کے ساتھ ادا کیا جائے اور بری الذمہ ہو جائے۔ دوسرے مستحب (طور پر) وہ یہ کہ اسے تمام مستحبات (وسنن) کے ساتھ اچھے اور مکمل طریقے سے ادا کیا جائے۔

جب تک جسم میں روح ہے، یہ پانچ نمازیں ہر عاقل بالغ مرد وعورت پر فرض ہیں۔
مردوں پر یہ فرض ہے کہ وہ مسجدوں میں (فرض) نماز باجماعت ادا کریں۔ اس کی دلیل آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میرا یہ ارادہ تھا کہ میں لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم دوں، لکڑیاں اکٹھی کی جائیں، پھر میں نماز کے لئے اذان کا حکم دوں، پھر ایک آدمی کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کروں، پھر ان لوگوں کے پاس جاؤں (جو مسجد میں فرض نمازیں نہیں پڑھتے) تو ان کے گھروں کو جلا دوں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر یہ لوگ (منافقین) یہ سمجھتے کہ مسجد میں انھیں موٹی تازی (گوشت والی) ہڈی یا بہترین کُھر مل جائے گا تو ضرور وہ نمازِ عشاء میں حاضر ہوتے۔ [صحیح البخاری:٦٤٤ وصحیح مسلم:٦٥١ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ]

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ نمازوں میں عشاء اور فجر کی نمازیں منافقوں پر سب سے زیادہ بھاری ہیں۔ اگر انھیں معلوم ہوتا کہ ان میں کتنا اَجر ہے تو وہ گھسٹتے ہوئے بھی (مسجد) آتے۔ میرا یہ ارادہ تھا کہ میں حکم دوں کہ نماز کی اقامت کہی جائے پھر ایک آدمی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں۔ پھر اپنے صحابہ کو لے کر، جن کے پاس لکڑیاں ہوں، ان لوگوں کے پاس جاؤں جو (مسجد میں) نماز پڑھنے نہیں آتے تو اُن کے گھروں کو آگ سے جلا دوں۔

[صحیح بخاری:٦٥٧، صحیح مسلم:٦٥١ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ] [ص ٢١]

صحیح مسلم (٦٥٤) میں ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جو شخص یہ پسند کرے کہ وہ کل اللہ کے سامنے مُسلم کی حیثیت سے پیش ہو تو اسے چاہیے کہ جب ان (پانچ) نمازوں کے لئے بُلایا جائے تو وہ ان کی حفاظت کرے بے شک اللہ نے تمھارے نبی ﷺ کے لئے ہدایت کے راستے مقرر کئے ہیں۔ اور (مسجد میں) یہ نمازیں سنن ہدایت میں سے ہیں۔ جس طرح یہ پیچھے رہنے والا (ایک شخص) اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے، اگر تم بھی یہ نمازیں اپنے گھروں میں پڑھو گے تو اپنے نبی کی سنت کے تارک ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم نے

اپنے نبی کی سنت ترک کر دی تو گمراہ ہو جاؤ گے [1] جو شخص اچھے طریقے سے طہارت (وضو) کرتا ہے، پھر ان مسجدوں میں سے کسی مسجد کی طرف جاتا ہے تو اس کے ہر قدم کے بدلے اللہ اس کے لئے ایک نیکی لکھتا ہے، ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور ایک گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ پکا منافق ہی نماز سے پیچھے رہتا تھا۔ اور حال یہ ہے کہ بعض صحابہ کو اس حال میں مسجد لایا جاتا تھا کہ وہ (بیماری کی وجہ سے) دو آدمیوں کے درمیان بمشکل چل کر آتے اور صف میں کھڑے کر دیئے جاتے تھے''

(یعنی صحابۂ کرام تو مسجد میں نمازیں پڑھتے تھے۔ جب کہ منافقین بغیر کسی شرعی عذر کے، بجائے مسجد کے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے تھے)

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اندھا شخص آیا تو کہا: یا رسول اللہ! مجھے مسجد لانے والا کوئی نہیں ہے۔ پس اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر ہی میں نماز پڑھنے کی اجازت مانگی تو آپ نے اسے اجازت دے دی۔ جب وہ واپس چلا تو آپ نے بلا کر پوچھا: کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: پس جواب دو، یعنی نماز مسجد ہی میں پڑھو۔ [صحیح مسلم: ۶۵۳]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم جب کسی آدمی کو عشاء اور فجر کی نماز میں (مسجد میں) نہ پاتے تو اُس آدمی کے بارے میں سوءِ ظن رکھتے۔

[المستدرک للحاکم ۱/۲۱۱، اسے حاکم و ذہبی دونوں نے صحیحین کی شرط پر صحیح کہا ہے]

نماز با جماعت کی دلالت کتاب وسنت کی ان نصوص سے بھی ہوتی ہے جن میں حالتِ خوف میں نماز کی ادائیگی کا ذکر آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ

---

[1] معلوم ہوا کہ جو شخص سنتِ واجبہ وضروریہ کو جان بوجھ کر بغیر کسی شرعی عذر کے ترک کرتا ہے وہ گمراہ ہے اور اسی طرح جو شخص عام ثابت شدہ سنتوں کو توہین واستخفاف ومخالفت کرتے ہوئے ترک کرتا ہے تو وہ اپنی اس توہین و استخفاف ومخالفتِ سنن کی وجہ سے گمراہ ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ آدمی ایسے ہیں جن پر میں لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ نے بھی لعنت بھیجی ہے جن میں ایک شخص (التارک لسنتي) میری سنت کا تارک ہے۔ (سنن الترمذی: ۲۱۵۴ وإسنادہ حسن وصححہ ابن حبان: ۵۲)

﴿فَاَ قَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلۡتَقُمۡ طَآ ئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ مَّعَكَ ﴾الآیۃ،اور جب آپ ان میں ہوں اور انھیں نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ کو آپ کے ساتھ کھڑا ہونا چاہئے، الخ

[النسآء:۱۰۲]

سنت (کی کئی کتابوں) میں بہت سی احادیث آئی ہیں جو مختلف طریقوں سے نمازِ خوف کی ادائیگی پر دلالت کرتی ہیں (اس استدلال کا مفہوم یہ ہے کہ جب حالتِ خوف میں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جاتی ہے حالانکہ سامنے اسلام کے دشمن موجود ہوتے ہیں، جن کے حملے کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے تو حالت امن میں نماز با جماعت کتنی زیادہ ضروری ہوگی) [1]

زکوٰۃ

چہارم: کتاب اللہ اور رسول ﷺ کی سنت میں نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنۡ تَا بُوۡا وَاَقَا مُوا الصَّلٰو ةَ وَ اٰ تَوُا الزَّ كٰو ةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ ؕ﴾

پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو انھیں چھوڑ دو۔ [التوبۃ:۵]

اور فرمایا:

﴿فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ ؕ﴾

پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو پھر وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں۔[التوبۃ:۱۱]

[ص۲۲]

اور فرمایا:

﴿وَمَآ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيۡمُوا

---

[1] پانچوں نمازیں باجماعت مسجد میں پڑھنا، قولِ راجح میں واجب ہے لیکن اگر شرعی عذر ہو تو یہ نمازیں گھر میں پڑھی جا سکتی ہیں مثلاً بیماری، بارش، خوف وغیرہ۔ اسی طرح اگر مسجد میں امام بدعتی ہو یا نمازیں لیٹ کر کے پڑھاتا ہو تو گھر میں نمازیں پڑھنا جائز ہے جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ آخری وقت کی بہ نسبت اول وقت میں نمازیں پڑھنا انتہائی افضل و بہترین عمل ہے۔

الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ ﴾

انھیں صرف اسی کا حکم دیا گیا تھا کہ خالص (ایک) اللہ کی عبادت کریں، اس کے دین کے لئے مخلص بن کر، یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی دینِ قیم ہے۔

[البینۃ:۵]

یہ مالی عبادت ہے جس کا فائدہ کئی لوگوں کو پہنچتا ہے۔ اللہ نے امیروں کے اموال میں زکوٰۃ اس طرح فرض کی ہے کہ اس سے فقیروں کو فائدہ پہنچتا ہے اور امیروں کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ مالِ کثیر میں سے یہ بہت تھوڑا حصہ ہے جو نکالا جاتا ہے۔

روزہ

پنجم: رمضان کے روزے بدنی عبادت ہے۔ یہ بندے اور اس کے رب کے درمیان ایسا راز ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کیونکہ لوگوں میں سے بعض لوگ رمضان میں بغیر روزے کے ہوتے ہیں اور دوسرے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ روزے سے ہیں۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ (غیر رمضان میں) آدمی نفلی روزہ رکھے ہوئے ہو اور دوسرا آدمی یہ سمجھتا ہو کہ وہ روزے سے نہیں ہے۔ اسی لئے صحیح حدیث میں آیا ہے کہ انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ ملتا ہے، ایک نیکی کی دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا تک نیکیاں ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ [البخاری:۱۸۹۴ و مسلم:۱۱۵۱]

یعنی بغیر حساب کے اجر دوں گا۔

اعمال سارے کے سارے اللہ ہی کے لئے ہوتے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ لَا شَرِیۡکَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ﴾

کہہ دو، بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لئے ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں (اس امت کا) پہلا

مسلمان ہوں۔ [الانعام:۱۶۲،۱۶۳]

اس حدیث میں روزے کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ یہ عبادت خفیہ ہوتی ہے، اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حج

ششم: بیت اللہ الحرام کا حج بدنی (و) مالی عبادت ہے۔ اللہ نے اسے زندگی میں صرف ایک ہی دفعہ فرض کیا ہے۔ اس کی فضیلت نبی ﷺ نے اپنے ارشاد مبارک سے بیان فرمائی کہ ''جس نے اس گھر کا حج کیا پھر جماع (وفحش گوئی) اور فسق (نافرمانی) کا ارتکاب نہ کیا تو وہ اس طرح (گناہوں سے پاک وصاف ہوکر) گھر لوٹے گا گویا اسے ماں نے (تازہ تازہ) جنا ہے۔ [صحیح البخاری:۱۸۲۰، وصحیح مسلم:۱۳۵۰]

آپ ﷺ نے فرمایا: ایک عمرہ دوسرے عمرے کے درمیان گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور حج مبرور (مقبول) کی جزا صرف جنت ہے۔ [صحیح مسلم:۱۳۴۹]

حج میں استطاعت بدنی و مالی، دونوں طرح ہوتی ہے۔ میت کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے اور زندہ کی طرف سے صرف دو حالتوں میں ہی حج ہوسکتا ہے: [ص۲۳]

۱: آدمی اتنا زیادہ بوڑھا ہو کہ سواری یا سفر کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

۲: ایسا مریض ہو جس کے صحت یاب ہونے کی کوئی اُمید نہ ہو۔

اگر حج کرنے والی عورت مکہ سے باہر رہنے والی ہو تو اس کے محرم کا ہونا استطاعت میں سے ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی آدمی بھی کسی عورت کے پاس تنہائی میں نہ رہے اِلا یہ کہ اُس عورت کے پاس اُس کا محرم موجود ہو۔ اور کوئی عورت بھی محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ تو ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! میری بیوی حج کرنے گئی ہے اور میرا نام فلاں فلاں غزوے میں درج کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

[صحیح البخاری:۳۰۰۶ وصحیح مسلم:۱۳۴۱ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ]

ہفتم: یہ پانچوں ارکان حدیث میں اپنی اپنی اہمیت کے لحاظ سے درجہ بدرجہ ذکر کئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ کی قربت کے ہر عمل کی بنیاد شہادتین (کلمۂ شہادت) پر ہے لہٰذا اسے مقدم کیا گیا ہے۔ پھر نماز کا ذکر کیا گیا جو مسلسل ہر دن رات میں پانچ دفعہ ادا کی جاتی ہے، یہ بندے اور اس کے رب کے درمیان مضبوط رابطہ ہے۔ پھر زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے جو ہر سال مال میں ایک دفعہ فرض ہوتی ہے اور اس کا نفع (عام لوگوں کے لئے) بہت زیادہ ہے۔ پھر (رمضان کے) روزے ذکر کئے گئے ہیں جو ہر سال میں ایک دفعہ فرض ہیں۔ یہ بدنی عبادت ہے جس کا فائدہ عام لوگوں کو شامل نہیں ہے (یعنی اس کا تعلق صرف روزہ رکھنے والے یا افطار کرانے والے سے ہے) پھر حج کا ذکر کیا گیا جو کہ ساری عمر میں صرف ایک دفعہ (بلوغ کے بعد) فرض ہے۔

ہشتم: راوی کا یہ کہنا کہ ''اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا ہے، پس ہمیں تعجب ہوا کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی تصدیق کرتا ہے''

وجۂ تعجب یہ ہے کہ عام طور پر سوال کرنے والے کو جواب معلوم نہیں ہوتا۔ وہ تو اس لئے پوچھتا ہے کہ اسے صحیح بات معلوم ہو جائے۔ ایسا آدمی پوچھنے والے سے جواب ملنے کے بعد یہ نہیں کہتا کہ ''آپ نے سچ کہا ہے'' کیونکہ سائل جب مسئول کی تصدیق کرے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ اسے پہلے سے جواب معلوم تھا۔ اسی لئے صحابہ کو اس اجنبی سائل کی تصدیق پر حیرت ہوئی۔ [ص۲۴]

ایمان کا بیان

۶: حدیث میں آیا ہے کہ ''اس نے کہا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں، آپ نے فرمایا: (ایمان) یہ (ہے) کہ تُو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن اور خیر وشر کی تقدیر پر ایمان لائے۔

اُس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا ہے (پھر) کہا: مجھے احسان کے بارے میں بتائیں،

آپ نے فرمایا: (احسان) یہ (ہے) کہ تُو اللہ کی عبادت کرے گویا کہ تُو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تُو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے'' اس میں (کئی) فائدے ہیں:

اول: یہ جواب ایمان کے چھ ارکان پر مشتمل ہے۔ ان ارکان میں پہلا رکن اللہ پر ایمان ہے۔ ہر وہ ایمان جو لانا واجب ہے۔ اُس کی بنیاد یہی ایمان ہے۔ اسی لئے ملائکہ، کتابوں اور رسولوں کی نسبت اسی طرف کی گئی ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان نہ لائے تو وہ بقیہ ارکان پر ایمان نہیں لاسکتا۔

اللہ پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اُس (کی ذات) کے وجود، ربوبیت، اُلوہیت اور اسماء وصفات پر ایمان لایا جائے، یہ تمام اقسام ایمان باللہ میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر کمال کے ساتھ موصوف ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ وہ ہر نقص سے مُنَزَّہ (پاک) ہے۔ پس توحیدِ ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید الاسماء والصفات [1] سب پر ایمان لانا واجب (فرض) ہے۔

توحید کی اقسام

(۱) توحیدِ ربوبیت اس اقرار کو کہتے ہیں کہ ربوبیت سے متعلقہ جتنے افعال ہیں مثلاً پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا، موت دینا، تدبیرِ اُمور اور کائنات میں تصرف وغیرہ، ان سب افعال میں اللہ اکیلا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔

(۲) توحیدِ اُلوہیت اسے کہتے ہیں کہ بندوں کے تمام افعال مثلاً دعا مانگنا، (مافوق الاسباب) خوف و اُمید، توکل، استعانت، پناہ مانگنا، مدد مانگنا، ذبح اور نذر وغیرہ تمام

---

[1] اللہ کے اسماء وصفات پر اسی طرح ایمان لانا چاہئے جس طرح قرآن وسنت میں وارد ہیں۔ نہ ان کا انکار کرنا چاہئے اور نہ ان کو باطل تاویلات کی بھینٹ چڑھانا چاہئے۔ جس طرح جہمیہ (گمراہ فرقہ) نے اللہ کی صفات کا انکار کیا تھا اور دورِ حاضر کے بعض گمراہ فرقے اور نام نہاد ''اہلسنت'' فاسد تاویلات کرتے ہیں۔ اسماء وصفات میں توقف کرنا بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ اگر اسماء وصفات کو بغیر انکار اور تاویل کے اسی طرح مانا جائے تو آخر اس میں کیا حرج ہے؟

عبادات صرف اللہ ہی کے لائق ہیں، ان تمام عبادات کو صرف اللہ ہی کے لئے خاص سمجھنا اور ان میں سے کوئی عبادت کسی دوسری مخلوق کے لئے جائز نہ سمجھنا، چاہے وہ مقرّب فرشتہ ہو یا نبی رسول ہو، تو دوسری مخلوقات کے لئے ان عبادات کی بدرجہ اولیٰ خود بخود نفی ہوگئی۔

(۳) توحید اسماء وصفات اسے کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے لئے جن اسماء (ناموں) اور صفات (صفتوں) کا اثبات کیا ہے اور اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے، انھیں اللہ کے کمال وجلال کے لائق مانا جائے۔ [1] کیفیت نہ پوچھی جائے، مخلوق سے مثال نہ دی جائے۔ نہ تحریف کی جائے اور نہ (باطل) تاویل کی جائے۔ نہ ان صفات اور ناموں کو مُعَطَّل (بے کار) سمجھا جائے۔ ہر چیز جو اللہ کے لائقِ شان نہیں ہے اس سے اللہ کو پاک ومنزہ سمجھا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع (سننے والا) وبصیر (دیکھنے والا) ہے [الشوریٰ:۱۱] [ص ۲۵]

اس آیت میں اثبات اور تنزیہ (دونوں) کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ میں اثبات ہے اور ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ﴾ میں تنزیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت سمع (سُننا) ہے لیکن مخلوق کے سُننے سے مشابہ نہیں۔ اللہ کی صفت بصر (دیکھنا) ہے لیکن مخلوق کے دیکھنے سے مشابہ نہیں۔ اللہ کے ثابت شدہ اسماء وصفات کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے۔

توحید کی یہ (تین) اقسام، کتاب وسنت کے گہرے مطالعے سے معلوم ہوئی ہیں۔ قرآن کی پہلی سورت (الفاتحہ) اور آخری سورت (الناس) میں تدبر سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں سورتیں توحید کی تینوں اقسام پر مشتمل ہیں۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے استواء علی العرش (عرش پر مستوی ہونا) اس کو بھی اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے گا۔ معطلہ نے صفت ''استواء علی العرش'' کی تفسیر استیلاء (غلبہ پانا) کی ہے۔ اس کا اہلِ علم نے کئی وجوہ سے رد کیا ہے۔ اس کے علاوہ عربی لغت میں استواء بمعنی استیلاء کہیں مذکور نہیں۔ عصرِ حاضر کے بعض نام نہاد توحیدی بھی اسی تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ تمام مسلمین کو ان کے شر سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

سورہ فاتحہ میں (بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کے بعد) پہلی آیت ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ ہے۔ یعنی: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو رب العالمین (جہانوں کا رب) ہے۔ یہ ان (تینوں) اقسام پر مشتمل ہے۔ بے شک ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ﴾ میں توحید الوہیت ہے کیونکہ بندوں کا اللہ کے ساتھ الحمد (تمام تعریفیں) کی اضافت کرنا عبادت ہے۔ ﴿رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ میں توحیدِ ربوبیت کا اثبات ہے۔ وہ یہ کہ اللہ رب العالمین ہے۔ اللہ کے سوا ہر چیز العالمین میں سے ہے۔ موجود صرف خالق اور مخلوق ہی ہیں۔ اللہ خالق ہے اور اُس کے سوا ہر چیز مخلوق ہے۔ اللہ کے ناموں میں سے ''الرب'' ہے اور اس سے پہلے لفظِ جلالت (اللہ) آیا ہے۔

﴿اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾ توحید اسماء وصفات پر مشتمل ہے۔ الرحمٰن اور الرحیم، اللہ کے ناموں میں سے ہیں۔ یہ دونوں نام اللہ کی صفتوں میں سے ایک صفت الرحمۃ (رحمت) پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اللہ کے سارے نام (صفات سے) مشتق ہیں، ان میں سے کوئی بھی اسم جامد (جو مشتق نہ ہو) نہیں ہے۔ اللہ کا ہر نام، اس کی صفتوں میں سے ایک صفت پر دلالت کرتا ہے۔

﴿مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ﴾ قیامت کے دن کا مالک، اس میں توحیدِ ربوبیت کا اثبات ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ دنیا وآخرت (ساری کائنات) کا مالک ہے۔ اس آیت کریمہ میں ''قیامت کے دن کا مالک'' کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ اُس دن دنیا کے برخلاف، رب العالمین کے سامنے تمام مخلوقات جھک جائیں گی۔ دنیا میں تو ایسے لوگ پائے گئے تھے جو سرکش وجابر تھے اور ''أنا ربکم الاعلیٰ'' میں تمھارا سب سے اعلیٰ رب ہوں، کا نعرہ لگاتے تھے۔ [ص۲٦]

﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ﴾ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، میں توحیدِ اُلوہیت کا اثبات ہے۔ مفعول ''اِيَّاكَ'' کو حصر (احاطے) کے فائدے کے لئے مقدم کیا گیا ہے۔ (عربی اصطلاح میں کسی حکم کو کسی ایک کے لئے

ثابت کرنا اور اس کے سوا ہر ایک کی نفی کرنا، حصر کہلاتا ہے) اس کا معنی یہ ہے کہ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں، خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور تیرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتے۔

﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ﴾ ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، ان لوگوں کا نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان لوگوں کا جو گمراہ ہیں۔ اس میں توحیدِ اُلوہیت کا اثبات ہے کیونکہ اللہ سے ہدایت مانگنا دعا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ((**الدعاء هو العبادة**)) دعا ہی عبادت ہے۔

[سنن أبي داود: ۱۴۷۹ و سنن الترمذی: ۳۲۴۷ وقال: هذا حديث حسن صحيح]

پس بندہ اپنے رب سے اس دعا میں یہ سوال کرتا ہے کہ وہ اسے صراطِ مستقیم (سیدھے راستے) کی ہدایت دے جس پر انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین چلے ہیں، یہ سب اہلِ توحید تھے۔ اور بندہ، اللہ سے سوال کرتا ہے کہ وہ اسے ان لوگوں کے راستے سے بچائے جن پر غضب ہوا اور جو گمراہ ہیں، یہ **مغضوب علیهم** اور **الضالین** لوگ اہلِ توحید میں سے نہیں ہیں بلکہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے اور غیروں کی عبادت کرنے والے ہیں۔

سورۃ الناس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴾ کہہ دو، میں انسانوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس میں توحید کی تینوں اقسام موجود ہیں۔ اللہ کی پناہ مانگنا توحیدِ اُلوہیت ہے۔ ﴿بِرَبِّ النَّاسِ﴾ میں توحیدِ ربوبیت و توحیدِ اسماء و صفات کا اثبات ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کے شروع میں فرمایا ہے ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔

﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ لوگوں کا بادشاہ، میں توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ اسماء و صفات کا اثبات ہے۔

توحید کی ان تینوں اقسام کے درمیان باہم نسبت کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ

توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات کا لازمی تقاضا توحید الوہیت ہے۔ توحید الوہیت کا لازمی تقاضا توحیدِ ربوبیت اور توحید اسماء وصفات ہے۔ کیونکہ جو شخص توحید الوہیت کا اقرار کرتا ہے تو اسے توحیدِ ربوبیت اور توحید اسماء وصفات کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ جو شخص اللہ کو اکیلا معبود مانتا ہے تو وہ خاص اسی کی عبادت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا اور نہ اس کا انکار کرتا ہے کہ اللہ ہی خالق، رازق، زندگی اور موت کا مالک ہے اور اسی کے لئے اسماءِ حُسنیٰ اور بلند صفات ہیں۔ جو شخص توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات کا اقرار کرتا ہے۔ اُس پر یہ ضروری ہے کہ توحیدِ اُلوہیت کا اقرار کرے۔ [ص ۲۷]

جن کفار کی طرف رسول اللہ ﷺ بھیجے گئے تھے، وہ توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرتے تھے [1] لیکن اس اقرار نے انھیں اسلام میں داخل نہیں کیا۔ بلکہ نبی (ﷺ) نے ان لوگوں سے جنگ کی تا کہ یہ لوگ ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ اسی لئے قرآن میں کثرت سے ان کافروں کو توحیدِ اُلوہیت کے اقرار کا حکم دیا گیا ہے جو توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرتے تھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ؕ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ؕ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ؕ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ

---

[1] جس طرح موجودہ دور کے نام نہاد مسلمان توحید ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں اور اس کے ساتھ وحدۃ الوجود اور اس جیسے شرکیہ اور کفریہ عقائد کے حامل بھی ہیں۔ (عقیدہ وحدۃ الوجود کا مطلب یہ ہے کہ تمام موجودات کو خدائے تعالیٰ کا ایک وجود ماننا اور ماسوا کے وجود کو محض اعتباری سمجھنا دیکھئے فیروز اللغات (ص ۱۳۰۷) اے اللہ! ہر مومن و مسلم کو ایسے عقائد سے دور رکھ۔

الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَی اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝﴾

کیا کوئی ایسا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے اور تمھارے لئے آسمان سے پانی اُتارا؟ پس ہم نے اس کے ساتھ خوبصورت سرسبز ولہلہاتے باغ اُگائے، تم ان درختوں کو نہیں اُگا سکتے تھے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ (معبود) ہے؟ بلکہ یہ لوگ (سیدھے) راستے سے اعراض کر رہے (ہٹے ہوئے) ہیں۔ کیا کوئی ایسا ہے جس نے زمین کو قرار (سکون سے ٹھہرنے کی جگہ) بنایا اور اس میں نہریں جاری کر دیں۔ اس میں پہاڑ نصب کئے اور دو سمندروں کے درمیان رکاوٹ بنادی؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ بلکہ ان لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی۔ کیا کوئی ایسا ہے جو مجبور کی دعا سُن کر قبول کرتا ہے اور مصیبت دُور کر دیتا ہے۔ اور تمھیں زمین کا وارث بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ تم بہت تھوڑی نصیحت پکڑتے ہو۔ کیا کوئی ایسا ہے جو تمھیں خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں راستہ دکھاتا ہے اور اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوائیں بھیج دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں اس سے اللہ پاک ہے۔ کیا کوئی ایسا ہے جو خلقت کی ابتدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ لوٹائے (یعنی پیدا کرے) گا اور آسمان و زمین سے تمھیں رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ کہہ دو، اگر تم سچے ہو تو دلیل لاؤ۔ [النمل: ۶۰۔۶۴]

اِن آیات میں سے ہر آیت میں توحیدِ ربوبیت کا اقرار ہے اور یہ توحیدِ اُلوہیت پر ایمان لانے کی لازمی دلیل ہے۔ ان پانچوں آیات میں سے ہر آیت میں توحیدِ ربوبیت کے اقرار کے بعد کہا گیا ہے کہ ﴿ءَ اِلٰـــهٌ مَّـعَ الـلّٰـــهِ﴾ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ (معبود) ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ ہی ان افعال کا مالک ہے تو یہ ضروری ہے کہ اُسی کی عبادت کی جائے۔ جس نے مخلوقات کو پیدا کیا ہے اور تمام افعالِ ربوبیت کا وہی اکیلا مالک ہے تو عبادت بھی صرف اسی کی ہونی چاہئے۔ [ص ۴۸]

یہ بات عقل میں کیسے آسکتی ہے کہ مخلوقات جنھیں اللہ نے عدم سے پیدا کیا ہے وہ مخلوق ہونے کے باوجود عبادت کی مستحق بن جائیں؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ﴾

بے شک تم جنھیں اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمھارے جیسے بندے ہیں۔[الاعراف:۱۹۴]

فرشتوں پر ایمان

دوم: فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں جنھیں نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم (۲۹۹۶) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((خلقت الملائکة من نور، وخلق الجانّ من مارج من نار و خلق آدم مما وصف لکم))** فرشتوں کو نور سے، جنوں کو آگ کے دہکتے ہوئے شعلے سے اور آدم کو اُسی سے جو تمھیں بتایا گیا ہے (یعنی مٹی [1] سے) پیدا کیا گیا ہے۔

فرشتے پروں والے ہیں جیسا کہ سورہ فاطر کی پہلی آیت سے ثابت ہے۔ جبریل (علیہ السلام) کے چھ سو پر ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ (کی حدیث) سے ثابت ہے اور قریب ہی گزر چکا ہے۔[الاصل ص۱۴، ۱۵]

فرشتے بہت بڑی مخلوق ہیں جن کی (پوری) تعداد صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں آیا ہے کہ بیتِ معمور میں جو ساتویں آسمان پر ہے، ہر روز ستر (۷۰) ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر وہ دوبارہ اس میں کبھی داخل نہیں ہوتے۔[دیکھئے صحیح بخاری: ۳۲۰۷ و صحیح مسلم: ۲۵۹]

(سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((یؤتی بجهنم، یومئذ لها سبعون ألف زمام، مع کل زمام سبعون ألف ملک**

---

[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ﴾ اللہ نے انھیں (آدم علیہ السلام کو) مٹی سے پیدا کیا (آل عمران: ۵۹)

یجرونها)) جہنم کولایا جائے گا، اُس دِن اُس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے۔[صحیح مسلم:۲۸۴۲]

ملائکہ میں سے بعض کو وحی لانے، بارش کے قطروں، موت، (ماؤں کے) ارحام، جنت اور دوزخ وغیرہ پر مقرر کیا گیا ہے۔ وہ سب اللہ کے حکم کے مطیع وفرماں بردار ہیں ﴿لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾ اللہ انھیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور انھیں جو حکم ملتا ہے وہی کرتے ہیں۔ [التحریم:٦]

کتاب وسنت میں جبریل، میکائیل، اسرافیل، مالک، منکر اور نکیر (چھ [1] فرشتوں) کے نام موجود [2] ہیں۔ جن فرشتوں کے نام مذکور ہیں اور جن کے نام مذکور نہیں، سب پر ایمان اور سب کی تصدیق فرض ہے۔

سوم: (آسمانی) کتابوں پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسولوں میں سے جس رسول پر جو کتاب نازل فرمائی، اُس کا اقرار اور تصدیق کی جائے۔ [ص۲۹]

اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ (سب کتابیں) برحق ہیں۔ منزل من اللہ ہیں اور مخلوق نہیں ہیں۔ یہ کتابیں جن کی طرف نازل کی گئی تھیں، ان کے لئے خوش بختی پر مشتمل ہیں۔ جس نے ان پر عمل کیا وہ بچ گیا اور کامیاب ہو گیا اور جس نے ان سے منہ پھیرا وہ رُسوا اور ناکام ہو گیا۔

ان (آسمانی) کتابوں میں سے بعض کے نام قرآن میں مذکور ہیں اور بعض کے مذکور نہیں ہیں۔ تورات، انجیل، زبور، صُحف ابراہیم اور صُحفِ موسیٰ کا ذکر قرآن میں ہے۔ صحفِ ابراہیم اور صحفِ موسیٰ کا ذکر قرآن میں دو جگہ، سورتِ نجم اور سورت اعلیٰ میں آیا ہے۔ داود (علیہ السلام) کی زبور کا ذکر قرآن میں دو جگہ سورہ نساء [آیت:۱۶۳] اور سورہ بنی اسرائیل [آیت:۵۵] میں آیا ہے۔ دونوں جگہ اللہ نے فرمایا (وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾

---

[1] عزرائیل فرشتے کا نام قرآن وحدیث وصحیح آثارِ سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔ تاہم ملک الموت کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے (السجدۃ:۱۱)

[2] سورۃ البقرہ:۱۰۲ میں ہاروت اور ماروت کے نام بھی موجود ہیں۔

اور ہم نے داؤدکو زبور دی۔

تورات اور انجیل کا ذکر قرآن کی بہت سی سورتوں میں آیا ہے۔سب سے زیادہ ذکر تورات کا آیا ہے۔قرآن میں موسیٰ (علیہ السلام) جیسا کسی اور رسول کا ذکر نہیں کیا گیا اور نہ موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب جیسا (کثرت سے) ذکر کسی دوسری کتاب کا کیا گیا ہے۔اس کتاب کا ذکر: تورات، الکتاب، الفرقان، الضیاء اور الذکر سے کیا گیا ہے۔

قرآن مجید

قرآن کو سابقہ کتابوں پر یہ امتیاز (وفضیلت) حاصل ہے کہ اس پر تفصیلی ایمان فرض ہے۔اُس کی خبروں کی تصدیق، احکامات پر عمل، منع کردہ چیزوں سے اجتناب اور قرآن و رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق اللہ کی عبادت ضروری ہے۔یہ وہ زندۂ جاوید معجزہ ہے جس نے تمام فصیح و بلیغ لوگوں کو چیلنج کر رکھا ہے کہ قرآن جیسی ایک سورت بنالاؤ۔سب اس چیلنج کے مقابلے سے عاجز ہیں وہ اس کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴾ کہہ دو، اگر انسان اور جن (سب) جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن بنالائیں گے تو ہرگز نہیں بنا سکتے اگرچہ وہ اس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔[بنی اسرآئیل:۸۸]

قرآن کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ تحریف سے اس کی حفاظت اور سلامتی کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ بے شک ہم نے ذکر (قرآن) اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں [الحجر:۹] اور اسے الگ الگ مختلف اوقات میں نازل ہونے کا شرف حاصل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا﴾ اور کافروں نے کہا کہ اس

پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اسی طرح ہم آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور ہم نے اسے بہترین طریقے سے مرتب کیا ہے۔ [الفرقان:۳۲] [ص۳۰]

قرآن سابقہ کتابوں پر مُهَيْمِن (نگران) ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْکَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾ اور ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی جو اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر نگران ہے۔
[المآئدۃ:۴۸]

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ (تمام) کتبِ سابقہ پر قرآن نگران ہے (یعنی اگلی کتابوں کو قرآن پر پیش کیا جائے گا)

سنت

رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سنت قرآن کی شرح اور توضیح (بیان) ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْکَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن) اُتارا تا کہ اُن کے لئے جو نازل کیا گیا ہے، آپ لوگوں کے سامنے اس کا بیان (تشریح) کریں اور تا کہ وہ فکر (سوچ) کریں۔ [النحل:۴۴]

یہ ضروری ہے کہ عمل کتاب وسنت کے مطابق ہو۔ جو شخص سنت کا انکار کرتا ہے وہ قرآن کا انکار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں، زکوٰۃ، روزے اور حج فرض کیا ہے۔ ان کا اور دوسری عبادات کا بیان سنت سے ملتا ہے۔ اللہ نے نماز قائم کرنے کا حکم دیا اور سنت نے ان نمازوں کے اوقات، تعداد رکعات اور کیفیت (ادائیگی کا طریقہ) بیان کر دیا۔ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ((صلّوا كما رأيتموني أصلّي)) نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ [صحیح البخاری:۶۳۱]

اللہ نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور سنت نے اس کی شروطِ وجوب، نصاب اور مقادیر بتا دیں۔

اللہ نے روزے رکھنے کا حکم دیا اور سنت نے روزے کے احکام اور روزہ توڑنے والی چیزوں کی تفصیل بتا دی۔ اللہ نے حج کرنے کا حکم دیا اور رسول ﷺ نے حج کا طریقہ بتا دیا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: مجھ سے اپنے مناسک (حج کے طریقے) سیکھ لو کیونکہ مجھے پتہ نہیں، ہوسکتا ہے کہ میں اس حج کے بعد دوسرا حج نہ کرسکوں۔ [صحیح مسلم:۱۲۹۷]

قرآنِ مجید، جن کتابوں کا نام لیا گیا ہے اور جن کا نام نہیں لیا گیا، سب اللہ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ ازل و ابد سے صفتِ کلام کے ساتھ موصوف ہے۔ وہ بغیر ابتدا و بغیر انتہا کے کلام کرنے والا ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا (وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا) اسی لئے اُس کے کلام کی بھی ابتدا اور انتہا نہیں ہے۔ صفتِ کلام، اللہ کی ذاتی فعلی صفت ہے۔ یہ اس اعتبار سے ذاتی صفت ہے کہ اس کے ساتھ موصوف ہونے کی کوئی ابتدا نہیں۔ اور فعلی اس لحاظ سے ہے کہ اس کا تعلق مشیئت اور ارادے سے ہے، پس اس کا کلام اُس کے چاہنے سے متعلق ہے۔ وہ جب چاہتا ہے اور جیسے چاہتا ہے کلام کرتا ہے۔ یہ نوعیت کے لحاظ سے قدیم اور ارادے و مشیئت کے لحاظ سے جدید ہے۔ اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے ان کے زمانے میں کلام کیا۔ اور ہمارے نبی محمد ﷺ سے معراج کی رات کلام کیا اور جس وقت اور جس زمانے میں اللہ نے کلام کرنا چاہا تو کلام کیا۔ [ص ۳۱]

اللہ تعالیٰ حرف اور صوت (آواز) سے کلام کرتا ہے۔ اس کا کلام مخلوق نہیں اور نہ یہ ایسا (حرف) مفہوم ہے جو ذات کے ساتھ قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا [النسآء:۱۶۴]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کا اثبات ہے اور یہ کہ اللہ کا کلام موسیٰ (علیہ السلام)

---

1 ماتریدیوں کی کتاب ''شرح العقائد النسفیۃ'' میں لکھا ہوا ہے کہ ''فموسي عم (!) سمع صوتاً دالاً علی کلام اللہ تعالیٰ'' پس موسیٰ علیہ السلام نے ایک آواز سنی جو اللہ تعالیٰ کے کلام پر دلالت کرتی تھی (ص ۴۸) یہ عقیدہ غلط اور باطل ہے اور سراسر قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی باطل کتابوں سے بچائے جن میں صاف صاف اور علانیہ طور پر قرآن و حدیث کی مخالفت لکھی ہوتی ہے۔

نے سُنا تھا [1] اور قولِ باری تعالیٰ ﴿تَكْلِيْمًا﴾ حصولِ کلام کی تاکید کے لئے آیا ہے اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی سے ہے (یعنی اُسی کا کلام ہے) اللہ کے کلام کی کوئی ابتدا و انتہا نہیں ہے اور نہ وہ محصور (محدود) ہے۔

اس کے برخلاف مخلوق کا کلام ابتدا و انتہا والا اور محدود ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾

کہہ دو اگر میرے رب کے کلمات (لکھنے) کے لئے سمندر سیاہی بن جائیں تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے (تمام) سمندر ختم ہو جائیں گے اور اگر ہم اس جیسی اور سیاہی بھی لے آئیں (تو وہ بھی ختم ہو جائے گی اور میرے رب کے کلمات ختم نہیں ہوں گے) [الکہف:۱۰۹]

اور فرمایا ﴿وَلَوْ اَنَّمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں وہ قلم بن جائیں اور (زمین کے) سمندر جیسے سات سمندر (سیاہی میں) مددگار بن جائیں تو اللہ کے کلمے ختم نہیں ہوں گے، بے شک اللہ زبردست حکیم ہے [لقمٰن:۲۷]

ان دونوں آیتوں میں اللہ کی صفتِ کلام کا اثبات ہے اور یہ کہ اس کا کلام محدود نہیں ہے کیونکہ بڑے بڑے سمندر اگر کئی گنا بڑھا دیئے جائیں اور یہ اللہ کا کلام لکھنے والی سیاہی بن جائیں اور زمین میں جتنے درخت ہیں وہ لکھنے والے قلم بن جائیں تو درخت اور قلم ضرور ختم ہو جائیں گے کیونکہ وہ مخلوق و محدود ہیں۔ اور اللہ کا کلام جو غیر مخلوق و غیر محدود ہے وہ ختم نہیں ہوگا۔ اور قرآن اللہ کا کلام ہے۔ تورات و انجیل اللہ کا کلام ہے اور ہر کتاب جسے اللہ نے نازل کیا ہے وہ اس کا کلام ہے۔ اللہ کا کلام مخلوق نہیں ہے۔ مخلوقات تو (قیامت کے دن) فنا ہو جائیں گی مگر اللہ کا کلام کبھی فنا نہیں ہوگا۔ یہ خالق کی صفت ہے جس کی کوئی انتہا

نہیں اور نہ اللہ کا کلام ختم ہوسکتا ہے۔مخلوقات تو ختم بھی ہو جاتی ہیں اور ان کا کلام بھی ختم ہو جاتا ہے۔

رسولوں پر ایمان

چہارم: رسولوں پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ اس بات کی تصدیق واقرار کیا جائے کہ اللہ نے انسانوں (بشر) میں سے انبیاء و رسول چُنے تا کہ لوگوں کو حق کی طرف ہدایت (راہنمائی) کی جائے اور انھیں اندھیروں سے نکال کر نور (روشنی) کی طرف لایا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾ اللہ فرشتوں اور انسانوں [1] سے رسول چُنتا ہے۔[الحج:۷۵] [ص۳۲]

جنوں میں رسول نہیں آئے بلکہ اُن میں نُذُر (ڈرانے والے) ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

اور جب ہم نے آپ کی طرف جنوں کی ایک جماعت پھیر (کر بھیج) دی، وہ قرآن

---

[1] انسانوں میں سے آخری رسول یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ چُن لئے گئے۔اب آپ کے بعد قیامت تک کوئی دوسرا رسول پیدا نہیں ہوگا۔ جیسا کہ کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ خاتم النبیین (آخر النّبیین) ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: ((وأنا آخر الأنبياء وأنتم آخر الأمم)) اور میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو (کتاب السنۃ لابن ابی عاصم: ۴۰۰ وبتحقیق الألبانی: ۳۹۱) اس روایت کی سند صحیح لذاتہ ہے۔ اس کا ایک راوی عمرو بن عبداللہ الحضرمی ہے جسے امام معتدل عجلی، حافظ ابن حبان، امام حاکم (صحح حدیثہ فی المستدرک ۴/۵۳۶، ۵۳۷) اور ذہبی نے ثقہ قرار دیا ہے۔اس ثقہ راوی کو مجہول یا مستور کہنا غلط ہے۔ والحمدللہ

سن رہے تھے۔ جب وہ (آپ کے پاس) حاضر ہوئے تو کہا: خاموش ہو جاؤ۔ جب تلاوت ختم ہوئی تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر واپس لوٹے۔ انھوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سُنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل ہوئی ہے، وہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، حق اور سیدھے راستے کی راہنمائی کرتی ہے اے ہماری قوم! اللہ کی طرف پکارنے والے کی پکار کا جواب دو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تمھارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمھیں دُکھ دینے والے عذاب سے پناہ دے کر بچا لے گا۔ جس نے اللہ کی طرف پکارنے والے کی پکار کا جواب نہ دیا تو وہ دنیا میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتا اور نہ اُس کا کوئی مددگار ہوگا، ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔ [الاحقاف:۲۹۔۳۲]

انھوں نے جنوں کے کسی رسول کا ذکر نہیں کیا اور نہ اپنی طرف نازل شدہ کسی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے تو صرف (سیدنا) موسیٰ اور (سیدنا) محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام کی طرف نازل شدہ دونوں کتابوں (تورات اور قرآن) کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ انجیل موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل ہوئی ہے لیکن اس کا ذکر اس وجہ سے نہیں آیا کہ انجیل کے بہت سے احکام تورات میں موجود ہیں۔ ان آیات کی تفسیر میں (حافظ) ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ''جنوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر نہیں کیا کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام پر جو انجیل نازل ہوئی اُس میں وعظ و نصیحت اور دلوں کو نرم کرنے والی آیات تھیں۔ اس میں حلال و حرام قرار دیئے جانے والے اُمور بہت تھوڑے تھے۔ یہ حقیقت میں تورات کی شریعت کا تتمہ (کامل کرنے والی) ہے۔ پس اعتماد تورات پر ہی تھا، اسی لئے جنوں نے کہا ﴿ اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ﴾ موسیٰ کے بعد نازل ہوئی۔'' [۵/۵۸۸ بتحقیق عبدالرزاق المہدی]

رسول انھیں کہتے ہیں جو منزل من اللہ شریعتیں، لوگوں کے پاس پہنچانے کے مکلّف تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ ﴾ اور ہم نے اپنے رسول واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب و میزان نازل کی۔ [الحدید:۲۵]

کتاب اسمِ جنس ہے جس سے (تمام) کتابیں مراد ہیں۔ اور انبیاء وہ ہیں جن کی طرف وحی کی گئی تھی کہ سابقہ شریعت (لوگوں تک) پہنچادیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ بے شک ہم نے تورات نازل کی اس میں ہدایت ونور ہے۔ اللہ کی کتاب جو ان کے پاس برائے حفاظت (وبطورِ امانت) رکھی گئی تھی، اس کے مطابق اللہ کے فرماں بردار انبیاء، ربانی (اللہ والے نیک) لوگ اور علماء ان یہودیوں کے لئے فیصلے کرتے تھے۔ اِلخ [المآئدۃ:۴۴]

رسولوں اور انبیاء کو جس تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا اُسے انھوں نے کامل اور پورے طریقے سے پہنچادیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَهَلۡ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ﴾ اور رسولوں کا یہی کام ہے کہ وہ اچھے طریقے سے پہنچادیں۔ [النحل:۳۵] [ص ۳۳]

اور فرمایا: ﴿وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا‌ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡهَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِ رَبِّكُمۡ وَيُنۡذِرُوۡنَكُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا‌ ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَلٰـكِنۡ حَقَّتۡ كَلِمَةُ الۡعَذَابِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ﴾ اور کافروں کو جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکا جائے گا حتیٰ کہ وہ جب اس کے پاس آئیں گے دروازے کھل جائیں گے اور جہنم کے داروغے ان سے پوچھیں گے: کیا تمھارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تمھارے رب کی آیات پڑھ کر تمھیں سناتے اور اس دن (قیامت) کی ملاقات سے ڈراتے؟ وہ کہیں گے: جی ہاں، لیکن عذاب کا فیصلہ کافروں پر برحق ہے۔ [الزمر:۷۱]

(مشہور تابعی اور بالاجماع ثقہ امام) زہری (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ "من اللہ عزوجل الرسالة وعلى الرسول البلاغ، وعلینا التسلیم" رسالت نازل کرنا اللہ کا کام ہے، لوگوں تک اس رسالت کو پہنچانا رسول کا کام ہے اور ہمارا یہ کام ہے کہ

اسے (بسروچشم) تسلیم کریں (صحیح البخاری، کتاب التوحید باب قول اللہ عزوجل ﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ﴾ الخ

[۱۳/۵۰۳ مع الفتح، قبل ح:۷۵۳۰]

رسولوں میں سے بعض کا ذکر قرآن میں ہے اور بعض کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ ؕ﴾ اور اس سے پہلے بعض رسولوں کا ہم نے آپ کے سامنے ذکر کیا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا۔

[النسآء:۱۶۴]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ ؕ﴾ اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے رسول بھیجے، ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ کو کیا ہے اور بعض کا ذکر آپ کو نہیں کیا۔ [المؤمن:۷۸]

قرآن میں پچیس (۲۵) پیغمبروں کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے اٹھارہ کا ذکر سورت انعام کی ان آیات میں ہے:

﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ۙ وَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰی وَ عِیْسٰی وَاِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ۙ وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَ یُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ۙ﴾

اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلے میں دی ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں، بے شک آپ کا رب حکیم علیم ہے۔ اور ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب دیئے، سب کو ہدایت دی اور ان سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور اُن کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو ہدایت دی اور ہم احسان (نیکی)

کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اوراور الیاس سب نیکی کرنے والوں میں سے تھے۔ اسماعیل، الیسع، یونس اور لوط، ان سب کو ہم نے جہانوں پر فضیلت دی۔ [الانعام:۸۳۔۸۶]

باقی سات پیغمبر آدم، ادریس، ہود، صالح، شعیب، ذوالکفل اور محمد (ﷺ) ہیں۔ ان سب پر درود وسلام اور اللہ کی برکتیں ہوں۔

اللہ کے رسول اور انبیاء مردوں میں سے تھے عورتوں میں سے نہیں تھے۔ بستیوں کے باشندے تھے، (جنگل وصحرا وغیرہ میں رہنے والے) بدوؤں میں سے نہیں تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی﴾ ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں میں سے ہی رسول بھیجے، وہ بستیوں والے تھے، ہم اُن کی طرف وحی کرتے تھے۔ [یوسف:۱۰۹] [ص۳۴]

اس آیت کی تفسیر میں (حافظ) ابن کثیر (الدمشقی) فرماتے ہیں کہ ''اہلِ سنت والجماعت اس کے قائل ہیں۔ اور شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری نے اہلِ سنت والجماعت سے یہی نقل کیا ہے کہ عورتوں میں کوئی بھی نبی نہیں ہے، ان میں صدیقات ضرور تھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں میں سب سے زیادہ شرف (بزرگی) والی مریم بنتِ عمران کے بارے میں فرمایا ﴿مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ کَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ﴾ مسیح ابن مریم صرف رسول ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں صدیقہ ہے، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے [المآئدة:۷۵] شرف کے بہترین مقام پر اللہ نے انھیں صدیقہ کہا، اگر وہ نبیہ ہوتیں تو شرف و عظمت کے (اس) مقام پر اس کا ذکر ہوتا، پس وہ قرآنی نص (دلیل) کے ساتھ صدیقہ ہیں۔'' [تفسیر ابن کثیر ۲/۵۸۴]

اور فرمایا: ''ارشاد باری تعالیٰ ﴿مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی﴾ میں قری سے مراد بستیاں (اور شہر) ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ خانہ بدوشوں میں سے تھے جو کہ اپنی طبیعت اور اخلاق کے لحاظ سے،

لوگوں میں سب سے زیادہ سخت مزاج اور سنگ دل ہوتے ہیں۔ یہ مشہور ومعروف ہے کہ بستیوں (اور شہروں) والے، خانہ بدوشوں کی نسبت نرم دل اور اچھے مزاج والے ہوتے ہیں۔ زرخیز زمین اور درختوں کے علاقے والے لوگ خانہ بدوشوں کی بہ نسبت بہتر حال والے ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّ نِفَاقًا﴾ الآیۃ اعراب (بدو) کفر اور نفاق میں سخت ہیں الخ [التوبۃ:۹۷] آیت کریمہ ﴿مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰی﴾ کی تفسیر میں (مفسر قرآن) قتادہ (تابعی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: کیونکہ وہ، خانہ بدوشوں کی بہ نسبت زیادہ علم، زیادہ برداشت والے اور بردبار ہوتے ہیں۔

[تفسیر ابن کثیر ۶۱۴/۳]

اس آیت کریمہ میں جو آیا ہے کہ رسول بستیوں اور شہر والوں میں سے تھے، دوسری آیت ﴿وَجَآءَ بِكُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ﴾ اور تمھیں بادیہ (صحرا) سے لے آیا [یوسف:۱۰۰] کے منافی (ومخالف) نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اس پر محمول ہے کہ یعقوب (علیہ السلام) شہر کے باشندے تھے اور شہر میں نبی بنے اور اس کے بعد صحرا چلے گئے [یہی بات راجح ہے/مترجم] یا وہ کسی ایسے مقام میں رہے تھے جسے ''بدا'' کہا جاتا تھا، یا وہ اُس صحرا سے آئے تھے جو شہر کی طرف منسوب تھا لہٰذا اسے وہی حکم دیا گیا۔ یہ تمام وجوہ ہمارے شیخ محمد الأمین الشنقیطی رحمہ اللہ (صاحبِ تفسیر: اضواء البیان) نے اپنی کتاب ''**دفع ایھام الا ضطراب عن آیات الکتاب**'' میں سورہ یوسف کی اس آیت کے تحت بیان کی ہیں۔

نبی اور رسول میں فرق؟

رہا نبی اور رسول کے درمیان فرق تو مشہور یہ ہے کہ نبی اسے کہتے ہیں کہ جس کی طرف وحی کے ذریعے شریعت نازل ہو، لیکن اسے اس کی تبلیغ کا حکم نہ دیا گیا ہو۔ اور رسول اسے کہتے ہیں جس کی طرف وحی کے ذریعے شریعت نازل ہو اور اس کی تبلیغ کا اسے حکم دیا گیا ہو۔

[ص ۳۵]

لیکن بعض دلائل ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ (رسول اور نبی کے درمیان) یہ تفریق صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ﴾ اور ہم نے اوّلین (پہلوں) میں کتنے ہی نبی بھیجے [الزخرف:٦] اور فرمایا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے نہ کوئی رسول بھیجا نہ کوئی نبی مگر جب تمنا کی (تو) شیطان نے اس کی تمنا میں (اپنا قول) ڈال دیا۔ [الحج:٥٢]

یہ اس کی دلیل ہے کہ نبی رسول ہوتا ہے جو تبلیغ پر مامور (حکم دیا گیا) ہوتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ﴾ الآیۃ بے شک ہم نے تورات نازل کی، اس میں ہدایت ونور ہے۔ اللہ کی کتاب جو ان کے پاس برائے حفاظت (وبطورِ امانت) رکھی گئی تھی، اس کے مطابق اللہ کے فرماں بردار انبیاء، ربانی (اللہ والے نیک) لوگ اور علماء اِن یہودیوں کے لئے فیصلے کرتے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے اِلخ [المآئدۃ:٤٤]

یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد انبیاء بنی اسرائیل تورات کے ساتھ فیصلے کرتے تھے اور اسی طرف دعوت دیتے تھے۔ اس طرح رسول اور نبی کے درمیان فرق کے بارے میں یہ کہنا ممکن ہے رسول اُسے کہتے ہیں جس پر بذریعۂ وحی شریعت اور کتاب نازل ہو اور نبی اسے کہتے ہیں جس پر یہ وحی نازل ہو کہ سابقہ رسالت (لوگوں تک) پہنچادے۔ اس طریقے سے تمام دلائل میں اتفاق ہو جاتا ہے لیکن ایک اشکال باقی رہتا ہے۔ وہ یہ کہ رسولوں میں سے بعض کو نبی رسول کہا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ﴾ اے رسول! آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے جو نازل کیا گیا ہے اُسے پہنچادیں۔ [المآئدۃ:٦٧]

اورفرمایا﴿یٰٓاَیُّھَاالنَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآاَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ ؕ﴾ اے نبی! آپ اسے کیوں اپنے آپ پرحرام کرتے ہیں جواللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے؟ (کیا) آپ اپنی بیویوں کی مرضی چاہتے ہیں؟[التحریم:۱]اورموسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں فرمایا﴿وَاذْکُرْفِی الْکِتٰبِ مُوْسٰٓی ۫ اِنَّہٗ کَانَ مُخْلَصًاوَّ کَانَ رَسُوْلًانَّبِیًّا﴾ اورکتاب میں موسیٰ کاذکرکرو، بے شک وہ مخلص اوررسول نبی تھے۔

[مریم:۵۱]

اوراسماعیل (علیہ السلام) کے بارے میں فرمایا﴿وَاذْکُرْفِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ ۫ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَکَانَ رَسُوْلًانَّبِیًّا﴾ اورکتاب میں اسماعیل کاذکرکرو، وہ وعدے کے سچےاوررسول نبی تھے۔(مریم:۵۴)

ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پرپہلی وحی نازل ہوئی مگرتبلیغ کاحکم نہیں دیا گیا پھراس کے بعد تبلیغ کاحکم اس آیت میں دیا گیا﴿یٰٓاَیُّھَاالْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪﴾ اے چادراوڑھنے والے! اُٹھوپھرڈراؤ۔[المدثر:۱،۲]

اسی لئے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے (اپنے رسالے) الاصول الثلاثۃ میں کہا: ''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اِقْرَأْ کے ساتھ نبی بنے اور اَلْمُدَّثِّرُ کے ساتھ رسول بنے'' اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی اُسے کہتے ہیں جس پروحی نازل ہواورکسی خاص وقت تک تبلیغ کا حکم نہ دیا گیا ہو یاسابقہ شریعت کی تبلیغ کاحکم دیا گیا ہو، یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی کورسول بھی کہتے ہیں اوررسول کونبی بھی کہتے ہیں۔ [ص ۳۶]

رسولوں میں اولوالعزم رسول

رسولوں میں اولوالعزم (سب سے بلند درجے والے) پانچ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوالْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ پس اس طرح صبرکروجس طرح اولوالعزم رسولوں نے کیا[الاحقاف:۳۵]ان پانچ اولوالعزم، رسولوں کے نام یہ ہیں: ہمارے

نبی محمد ﷺ، ابراہیم، موسیٰ، نوح اور عیسیٰ (علیہم السلام) اللہ نے ان کا ذکر قرآن کی دو آیتوں میں کیا ہے۔

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ص﴾ اور جب ہم نے نبیوں سے وعدہ لیا اور آپ سے، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے وعدہ لیا۔ [الاحزاب:۷]

اور فرمایا ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ط﴾ اللہ نے آپ کے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اُس نے نوح کو حکم دیا اور جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور جو ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ بازی نہ کرنا۔ [الشوریٰ:۱۳]

آخری زمانے میں جنوں اور انسانوں پر اللہ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اُس نے اُن (انسانوں) میں اپنے رسولِ کریم محمد ﷺ کو بھیجا، آپ نے ہر خیر کی طرف راہنمائی کی اور ہر شر سے منع فرمایا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ اللہ نے یقیناً مومنوں پر بڑا احسان کیا جب اُس نے انھی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سُناتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے [آل عمران:۱۶۴] اور فرمایا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ [سبا:۲۸]

اور فرمایا ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾ کہہ دواے

(ساری دنیا کے) لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں [الاعراف: ۱۵۸] اور فرمایا ﴿یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْجَآءَ کُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَ نَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ فَقَدْجَآءَ کُمْ بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اے اہلِ کتاب یقیناً تمھارے پاس رسولوں کے درمیان وقفے میں ہمارا رسول آ گیا جو تمھارے سامنے (آیات) بیان کرتا ہے تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا تھا، پس یقیناً تمھارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے [المآئدۃ: ۱۹] اور فرمایا ﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا﴾ الآیات، کہہ دو کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا تو کہا: بے شک ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے، پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ [الجن: ۱، ۲]

اُمتِ دعوت اور اُمتِ اجابت

ہمارے نبی (سیدنا) محمد ﷺ کی اُمت اُمتِ دعوت بھی ہے اور اُمتِ اجابت بھی۔ آپ ﷺ کی بعثت (نبی مبعوث ہونے) سے لے کر قیامت تک ہر انسان و جن (آپ کی دعوت کا مخاطب ہونے کی وجہ سے) اُمتِ دعوت ہے۔ اُمتِ اجابت اُن لوگوں کو کہتے ہیں۔ جنھیں اللہ نے دینِ حنیف (اسلام) میں داخل ہونے کی توفیق بخشی ہے۔ جنوں اور انسانوں پر یہ لازم ہے کہ وہ آپ ﷺ کی شریعت پر عمل کریں۔ شریعت کی دعوت سب کو شامل ہے، کسی ایک کا بھی استثنا نہیں ہے بلکہ سب اسی دعوت کے مخاطب ہیں۔

[ص ۳۷]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات (اللہ) کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ)

کی جان ہے! اس امت (امتِ دعوت) میں سے جو بھی میرے بارے میں سن لے، چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی، پھر وہ جس دین کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے ایمان نہ لائے تو وہ شخص دوزخی ہے۔ [صحیح مسلم: ۲۴۰]

ہمارے نبی (سیدنا) محمد ﷺ کی بعثت کے بعد یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ گمان فائدہ نہیں دے گا کہ وہ موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کی اتباع کرنے والے ہیں بلکہ ان پر یہ ضروری ہے کہ وہ ہمارے نبی محمد ﷺ پر ایمان لائیں، جن کی شریعت نے گذشتہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ﴾ محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے (صلبی) باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین (آخری نبی) ہیں۔ [الاحزاب: ۴۰] کیونکہ جس شخص نے ایک رسول کی تکذیب کی تو اس نے سارے رسولوں کی تکذیب کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ قوم نوح نے رسولوں کی تکذیب کی [الشعرآء: ۱۰۵] ﴿كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ عاد نے رسولوں کی تکذیب کی [الشعرآء: ۱۲۳] ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ ثمود نے رسولوں کی تکذیب کی [الشعرآء: ۱۴۱] ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ قوم لوط نے رسولوں کی تکذیب کی [الشعرآء: ۱۶۰] ﴿كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ قومِ شعیب نے رسولوں کی تکذیب کی [الشعرآء: ۱۷۶] [تکذیب، جھوٹا سمجھنے اور انکار کرنے کو کہتے ہیں] ہر اُمت نے اپنے رسول کی تکذیب کی تھی لیکن اسے تمام رسولوں کی تکذیب کے برابر قرار دیا گیا کیونکہ ایک رسول کا انکار تمام رسولوں کا انکار ہے۔ جو شخص ایک رسول پر ایمان لائے اور دوسرے کا انکار کرے تو وہ شخص حقیقت میں اس رسول کا انکار و تکذیب کرنے والا ہے جس کے بارے میں وہ ایمان لانے کا دعویٰ کرتا ہے۔

نبی ﷺ نے جنوں اور انسانوں کو دین حنیف اور صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور بے شک آپ

صراطِ مستقیم (سیدھے راستے) کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ [الشوریٰ:۵۲]

اورفرمایا﴿وَاِنَّکَ لَتَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴾اور بے شک آپ انھیں صراطِ مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۔[المؤمنون:۷۳]

اورفرمایا﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ؕ ذٰلِكُمۡ وَصّٰكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴾اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس اس کی پیروی کرو اور (دوسرے) راستوں کی پیروی نہ کرنا وہ تمھیں (سیدھے) راستے سے ہٹا کر تفرقے میں ڈال دیں گے۔[الانعام:۱۵۳]

ہدایت کا راستہ

ہدایت کا راستہ، نبی ﷺ کی اتباع پر ہی منحصر ہے۔ اللہ کی عبادت صرف اسی طریقے سے ہوگی جو رسول کریم ﷺ لے کر آئے ہیں۔ آپ ﷺ جو دین لے کر آئے ہیں، اس کی اتباع کے بغیر کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جو (بندوں کو) اللہ کے ساتھ ملا دے (یعنی جنت میں داخلے کا صرف ایک ہی راستہ ہے جو کہ آپ ﷺ کی اتباع واطاعت ہے۔

کھانے پینے کی ضرورتوں سے زیادہ، مسلمان کی یہ ضرورت ہے کہ صراطِ مستقیم کی طرف اس کی راہنمائی ہوجائے۔ کھانا پینا تو دنیا کی زندگی کی ضرورت وزادِراہ ہے اور صراطِ مستقیم آخرت کی ضرورت وزادِراہ ہے۔ [ص ۳۸]

اس لئے سورہ فاتحہ میں صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعا کا ذکر آیا ہے۔ نماز کی رکعتیں، فرض ہوں یا نفل، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ واجب (یعنی فرض) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ ﴾ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام کیا، اُن لوگوں کا نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ اُن لوگوں کا جو گمراہ ہیں۔[سورۃ الفاتحۃ]

مسلمان مسلسل یہ دعا کرتا رہتا ہے تا کہ (اللہ) اسے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور

صالحین کے راستے کی طرف راہنمائی کرے جن پر انعام ہوا ہے [1] ۔ اور ان لوگوں کے راستے سے بچائے جن پر غضب ہوا اور جو گمراہ ہیں، یہودیوں، عیسائیوں اور دوسرے دشمنانِ دین کے راستے سے بچائے۔

نبی ﷺ کا جنوں اور انسانوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت (وراہنمائی) کرنا وہ نُور ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے ﴿اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ۙ﴿ۙ وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًا ﴾ بے شک ہم نے آپ کو شاہد (گواہ) مبشر (خوش خبری دینے والا) اور نذیر (ڈرانے والا) بنا کر بھیجا، اور اللہ کے حکم سے اُس کی طرف دعوت دینے والا اور سراج مُنیر (روشن چراغ) بنا کر بھیجا [الاحزاب:۴۵،۴۶]

اس آیت میں اللہ نے آپ کو سراج مُنیر (روشن چراغ) قرار دیا، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ (اپنے) بندوں کے لئے روشنی کرتا ہے (تا کہ وہ صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں)

یہی معنیٰ ''النور'' کا ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے کہ ﴿فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ النُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا ؕ﴾ پس: اللہ، اُس کے رسول اور جو نور ہم نے نازل کیا ہے اُس پر ایمان لے آؤ۔ [التغابن:۸]

یعنی نورِ قرآن اس ہدایت پر مشتمل ہے جو صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

قیامت پر ایمان

پنجم: قیامت پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ کتاب وسنت میں موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اُس کی تصدیق اور اقرار کیا جائے، اللہ نے دو گھر بنائے ہیں: (۱) دنیا کا گھر اور (۲) آخرت کا گھر۔ ان دونوں گھروں کے درمیان حدِ فاصل موت ہے۔ جب صُور پھونکا جائے گا تو اس وقت دنیا میں جو کوئی زندہ ہوگا مر جائے گا۔ اور جو شخص مر گیا تو اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ وہ دار العمل سے دار الجزا (بدلے کے گھر) میں منتقل ہوگیا۔

---

[1] آیت کریمہ ''انعمت علیھم'' سے اجماع کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اجماع کی حجیت کے دیگر دلائل کیلئے دیکھئے امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب الرسالہ اور المستدرک للحاکم النیسابوری رحمہ اللہ (۱/۱۱۶) والحمد للہ

موت کے بعد دو زندگیاں ہیں: برزخی زندگی جو موت اور قیامت کے دن دوبارہ زندگی کے درمیان ہے۔ موت کے بعد زندگی اور برزخی زندگی کی حقیقت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے اور یہ موت کے بعد زندگی کے تابع ہے کیونکہ ان دونوں میں اعمال کی جزا ہے۔

[ص۳۹]

عذابِ قبر

قیامت پر ایمان لانے میں سے یہ بھی ہے کہ قبر میں آزمائش، عذاب اور راحت (ثواب) پر ایمان لایا جائے۔ قبر میں آزمائش، عذاب اور ثواب کے بارے میں (بہت سی) احادیث آئی ہیں۔

صلوٰۃ الکسوف والی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو چیز مجھے (پہلے) دکھلائی نہیں گئی تھی مگر آج اس مقام پر اسے میں نے دیکھ لیا ہے حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا۔ مجھ پر یہ وحی کی گئی ہے کہ تمھیں قبروں میں مسیح دجال کے فتنے جیسا یا اس کے قریب آزمایا جائے گا (راوی کو یاد نہیں ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے جیسا فرمایا تھا یا قریب) کہا جائے گا: اس آدمی کے بارے میں تمھیں کیا علم ہے؟ پس اگر وہ مومن یا موقن (یقین کرنے والا) ہوا (راوی کو یہ یاد نہیں ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے مومن کا لفظ فرمایا تھا یا مُوقن کا) تو کہے گا: وہ محمد ہیں، وہ رسول اللہ (ﷺ) ہیں ہمارے پاس واضح نشانیاں اور ہدایت لے کر آئے، پس ہم نے انھیں قبول کیا اور آپ کی اتباع کی، وہ محمد (ﷺ) ہیں یہ بات وہ تین دفعہ کہے گا۔ پس اس سے کہا جائے گا: اچھی طرح سوجا، ہمیں پتہ تھا کہ تو اس پر یقین کرنے والوں میں سے تھا۔

جو منافق یا مرتاب (شک کرنے والا) ہوگا (راوی کو یاد نہیں کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے منافق کا لفظ کہا تھا یا مرتاب کا لفظ کہا تھا) اسماء (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: وہ کہے گا: مجھے پتہ نہیں، میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے ہوئے سُنا تو میں نے بھی وہی کہہ دیا۔

[صحیح البخاری: ۸۶ عن فاطمۃ بنت المنذر عن اسماء عن عائشۃ رضی اللہ عنہا]

(سیدنا) براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مسلمان سے قبر میں سوال ہوتا ہے تو وہ لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گواہی دیتا ہے۔ یہ ہے مطلب ارشادِ باری تعالیٰ کا ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ اللہ تعالیٰ ثابت قول کے ساتھ اہل ایمان کو دنیا وآخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ (ابراہیم: ۲۷) [صحیح البخاری: ۴۶۹۹]

مسند احمد میں حسن سند کے ساتھ آیا ہے کہ (سیدنا) براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے طویل حدیث میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے) فرمایا: ''پس مومن کے پاس دو فرشتے آکر اُسے بٹھاتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔ وہ کہتے ہیں: تیرا دین کیا ہے: تو وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے، پس وہ کہتے ہیں: یہ آدمی کون ہے جو تمھارے اندر بھیجا گیا تھا؟ تو وہ کہتا ہے کہ: وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (ح ۱۸۵۳۴) [مسند احمد (۴/ ۲۸۷، ۲۸۸) وسنن ابی داود (۳۲۱۲، ۴۷۵۳، ۴۷۵۴) وھو حدیث صحیح، اس حدیث کی تفصیلی تحقیق کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۱۴ص ۲۲ تا ۲۹]

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ'' کافر کے پاس دو فرشتے آکر اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! مجھے پتہ نہیں ہے۔ پھر اس سے کہتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! مجھے پتہ نہیں ہے۔ پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ: یہ کون آدمی ہے جو تمھارے اندر بھیجا گیا؟ تو وہ کہتا ہے ہائے ہائے! مجھے پتہ نہیں ہے۔'' [ص ۴۰]

اس حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کے بارے میں فرماتا ہے: ''اس کے نیچے جنت کا فرش بچھا دو، اسے جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔ پس اسے جنت کی خوشبو اور ہوائیں آتی ہیں اور حدِ نظر تک اُس کے لئے قبر کھول دی جاتی ہے'' اور کافر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ''اس کے نیچے آگ کا فرش بچھا دو اور اس کے لئے جہنم کی طرف دروازہ کھول دو۔ پس اس کے پاس جہنم کی گرمی

اور زہریلی ہوائیں آتی ہیں اور اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھسنے لگتی ہیں۔''

مصنف عبدالرزاق (۶۷۴۴) میں ابن جریج سے روایت ہے کہ'' مجھے ابوالزبیر (محمد بن مسلم بن تدرس المکی) نے حدیث بیان کی، انھوں نے جابر بن عبداللہ (الانصاری رضی اللہ عنہ) کو فرماتے ہوئے سُنا کہ بے شک یہ اُمت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمتِ دعوت) اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے۔ جب مومن کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس جاتے ہیں تو اس کے پاس ڈراؤنے فرشتے آکر کہتے ہیں: اس آدمی کے بارے میں تُو کیا کہتا تھا؟ تو مومن کہتا ہے: میں یہ کہتا تھا کہ آپ اللہ کے رسول اور بندے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو فرشتہ اس سے کہتا ہے: تیرا جہنم میں جو ٹھکانا تھا اُسے دیکھ، اللہ نے تجھے اُس سے بچا لیا ہے اور اُس کے بدلے اللہ نے تجھے جنت میں ٹھکانا دے دیا ہے جسے تو دیکھ رہا ہے۔ وہ یہ دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے۔ پس مومن کہتا ہے کہ کیا میں گھر والوں کو (دنیا) میں خوش خبری دے دوں؟ تو اُس سے کہا جاتا ہے: یہاں ٹھہرا رہ، (قیامت سے پہلے) ہمیشہ کے لئے تیرا یہی ٹھکانا ہے۔

اور منافق سے جب اس کے ساتھی واپس لوٹتے ہیں تو (اس کے پاس ڈراؤنے فرشتے آتے ہیں) اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو کہتا ہے کہ مجھے پتہ نہیں، میں تو وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے عقل استعمال نہیں کی۔ دیکھ! تیرا یہ جنت میں ٹھکانا تھا، اللہ نے اس کے بدلے تیرا ٹھکانا جہنم میں بنا دیا ہے'' اس کی سند صحیح ہے اور یہ روایت (اگرچہ صحابی کا قول ہے لیکن) حکماً مرفوع ہے (یعنی یہ حدیث صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہوگی)

صحیح مسلم (۵۸۸) میں (سیدنا) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی (نماز میں) تشہد پڑھے تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔ یہ دعا مانگے: ((**اللھم إني أعوذبک من عذاب جھنم و من عذاب**

القبر و من فتنة المحيا و الممات و من شر فتنةالمسيح الدجال)) اے اللہ! میں: عذابِ جہنم، عذابِ قبر، زندگی اور موت کے فتنے اور مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ [ص ۴۱]

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے: ((**اللهم إنّي أعوذبک من عذاب القبر و من عذاب النار و من فتنة المحيا و الممات و من فتنةالمسيح الدجال**)) اے اللہ! میں: عذابِ قبر، عذابِ جہنم، زندگی اور موت کے فتنے اور مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ [صحیح البخاری: ۱۳۷۷]

یہ تین اُمور جن کے بارے میں قبر میں پوچھا جاتا ہے، ان کا اکٹھا ذکر (سیدنا) عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) کی بیان کردہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: جو شخص اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول ہونے پر راضی ہوا تو اُس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ [صحیح مسلم: ۵٦]

اس کا ذکر صبح و شام کی دعاؤں اور اذان کے وقت دعا میں بھی آیا ہے۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنے بہترین رسالے ''**الأصول الثلاثة و أدلتها**'' کی بنیاد اسی پر رکھی ہے کیونکہ اصولِ ثلاثہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے رب، اپنے دین اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لے۔

اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کے بارے میں فرمایا: ﴿**اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ**﴾ وہ صبح و شام آگ پر پیش ہوتے ہیں اور جب قیامت واقع ہوگی (تو کہا جائے گا) آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کر دو۔ [المؤمن: ۴٦]

یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ آلِ فرعون پر عذاب ہو رہا ہے اور وہ اپنی قبروں میں ہیں۔ اور جب (مخلوقات کو) دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو انھیں سخت ترین عذاب کی طرف منتقل کیا جائے گا۔

حدیث میں نعمتوں کا ذکر آیا ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں (پپوٹوں) میں ہوتی ہیں، ان کے لئے عرش کے نیچے قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں، جنت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں پھر ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں۔

[صحیح مسلم: ۱۸۸۷ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ]

امام احمد نے اپنی مسند میں (۳/۴۵۵ ح ۱۵۷۷۸) امام شافعی سے انھوں نے امام مالک سے روایت کیا، وہ ابن شہاب (الزہری) سے وہ عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے وہ اپنے ابا سے وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ ''مومن کی روح تو پرندے کی شکل میں جنت کے درختوں سے کھاتی رہتی ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُسے اُس کے جسم میں لوٹا دے گا'' یہ حدیث صحیح ہے۔ [یہ روایت موطا امام مالک ۱/۲۴۰ ح ۵۶۹، سنن الترمذی: ۱۶۴۱ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح، سنن النسائی ۴/۱۰۸ ح ۲۰۷۵، اور سنن ابن ماجہ: ۴۲۷۱ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ اس کی سند معلول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام زہری کے استاد عبدالرحمٰن بن کعب سے مراد عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب ہے، دیکھئے التاریخ الکبیر للبخاری ۵/۳۰۶ ومسند احمد ۳/۴۵۵، ۴۶۰ والمعجم الکبیر للطبرانی ۱۹/۶۶، لہٰذا عن ابیہ سے مراد ''عن جدہ'' ہے۔ پس یہ سند مرسل ہے۔ مسند احمد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے درمیان واسطہ نامعلوم ہے، خلاصہ یہ کہ یہ روایت ضعیف ہے/مترجم]

[ص ۴۲]

اس کی سند میں اہلِ سنت کے مشہور مذاہب کے ائمۂ اربعہ میں سے تین امام (موجود) ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ﴾ اور اللہ کے راستے میں جو لوگ قتل کئے جاتے ہیں، انھیں مُردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انھیں رزق دیا جاتا ہے۔

(آل عمران: ۱۶۹) اس کی تفسیر میں امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

''مسند امام احمد میں ایک حدیث مروی ہے جس میں ہر مومن کے لئے بشارت

(خوش خبری) ہے کہ اس کی روح جنت میں ہوتی ہے، جہاں چاہتی ہے جاتی ہے، جنت کے پھل کھاتی ہے۔ اس میں خوشیوں اور رونق کا نظارہ کرتی ہے۔ اللہ نے اس کے لئے جو نعمتیں تیار کی ہیں اُن کا مشاہدہ کرتی ہے۔ یہ روایت ''صحیح عزیز عظیم'' سند سے ہے۔ اس میں مذاہبِ متبوعہ [1] میں سے ائمہ اربعہ کے تین امام جمع ہیں'' پھر انھوں نے حدیث کی سند اور متن بیان کیا۔

(سیدنا) زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اُمت قبروں میں آزمائی جاتی ہے اور اگر اس کا خوف نہ ہوتا کہ تم مُردے دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں ضرور اللہ سے دعا کرتا کہ تمھیں قبر کا عذاب سُنائے جو کہ میں سُن رہا ہوں۔ [صحیح مسلم: ۲۸۶۸]

عذابِ قبر اور اس سے اللہ کی پناہ مانگنے کی بہت سی احادیث ہیں۔ یہ دلیلیں اس کا ثبوت ہیں کہ مومنوں کو قبروں میں نعمتیں اور کافروں کو قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔ نعمتیں اور عذاب، روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے۔

آخرت پر ایمان میں سے یہ بھی ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پر ایمان لایا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ﴾ صور میں پھونک ماری جائے گی تو آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ بے ہوش ہو جائے گا سوائے اس کے جسے اللہ (بے ہوش نہ کرنا) چاہے۔ پھر دوبارہ صُور پھونکا جائے گا تو سارے کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے۔ [الزمر: ۶۸]

---

[1] مصنف کی مراد یہ ہے کہ عام ان پڑھ اور لاعلم لوگوں کے نزدیک جو مذاہب متبوعہ ہیں ان مذاہب کے ائمہ ثلاثہ اس حدیث کے راوی ہیں۔ یاد رہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں ہوا ہے جیسا کہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کے قول سے ظاہر ہے دیکھئے اعلام الموقعین (۲/۲۰۸) ہر مسلمان پر یہ ضروری ہے کہ کتاب و سنت و اجماع پر عمل کرے۔ اور اگر مسئلہ معلوم نہ ہو تو علماء سے مسئلہ (بادلیل) پوچھ کر اس پر عمل کرے۔ چاہے عالم ہو یا غیر عالم سب کے لئے تقلید حرام ہے اور دلیل نہ ہونے کی حالت میں، اضطراری طور پر اجتہاد جائز ہے، کتاب و سنت و اجماع کے خلاف ہر اجتہاد مردود ہے۔

اورفرمایا﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ کافروں نے گمان کیا کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے، کہہ دو، میرے رب کی قسم! تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے پھر تمھیں تمھارے اعمال کی خبر دی جائے گی۔[التغابن:۷]

اورفرمایا﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُـحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ یہ اس لئے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور بے شک جو قبروں میں ہیں انھیں اللہ ضرور زندہ کرے گا۔[الحج:۶،۷]

کیونکہ عام طور پر لوگ مُردوں کو قبروں میں دفن کرتے ہیں۔ ہر آدمی جو مر گیا، چاہے اس کی قبر بنی ہو یا نہ بنی ہو اُسے زندہ کیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ [ص ۴۳]

﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور یہ کافر پورا زور لگا کر قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر گیا اُسے اللہ زندہ نہیں کرے گا، بلکہ ضرور زندہ کرے گا، یہ سچا وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔[النحل:۳۸]

قیامت کے دن قبروں میں سے سب سے پہلے ہمارے نبی ﷺ کی قبر کھلے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:((أنا سيد ولد آدم يوم القيامة، وأول من ينشق عنه القبر وأول شافع وأوّل مشفع)) میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر کھلے گی اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔[صحیح مسلم:۲۲۷۸]

قرآن میں قیامت کا بیان تین طرح سے بہت زیادہ آیا ہے:

اول: انسان کی پیدائشِ اول کی طرف تنبیہ، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ

اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ o وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِىَ خَلۡقَهٗ ؕ قَالَ مَنۡ يُّحۡىِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ o قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِيۡمٌ﴾ کیاانسان نےنہیں دیکھا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا پس وہ کھلا جھگڑالو ہو گیا ہے۔ وہ ہمارے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اپنی خلقت کو بھول گیا ہے، کہتا ہے کہ یہ بوسیدہ ہڈیاں کون زندہ کرے گا؟ کہہ دو، انھیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انھیں پیدا کیا تھا اور وہ اپنی ساری مخلوقات کا پورا علم رکھتا ہے۔[یٰسٓ:۷۷۔۷۹]

اور فرمایا﴿وَهُوَ الَّذِىۡ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَيۡهِ ؕ وَلَهُ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ﴾ اور وہی خلقت کی ابتدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ زندہ کرے گا اور یہ اس کے لئے آسان ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اعلیٰ مثال اسی کی ہے اور وہ زبردست حکیم ہے۔[الروم:۲۷]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيۡرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ اے لوگو! اگر تمھیں دوبارہ زندگی میں شک ہے تو ہم نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر خون کے جمے ہوئے ٹکڑے سے پھر گوشت کے ہموار وغیر ہموار لوتھڑے سے۔[الحج:۵]

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا﴿يَوۡمَ نَطۡوِى السَّمَآءَ كَطَىِّ السِّجِلِّ لِلۡكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِيۡدُهٗ ؕ وَعۡدًا عَلَيۡنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيۡنَ﴾ اس دن جب ہم آسمان کو اس طرح لپیٹیں گے جیسے کاتب (اپنی) کتابیں لپیٹتا ہے، جس طرح ہم نے پہلے مخلوق پیدا کی اسی طرح دوبارہ اسے پیدا کریں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے، اسے ہم کرنے والے ہیں۔[الانبیآء:۱۰۴]

اور فرمایا﴿اَفَعَيِيۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ ؕ بَلۡ هُمۡ فِىۡ لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ﴾ کیا ہم پہلی خلقت میں تھک گئے؟ بلکہ یہ لوگ دوبارہ پیدائش سے شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔[قٓ:۱۵]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی ؕ اَلَمۡ یَکُ نُطۡفَةً مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی ۙ ثُمَّ کَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ۙ فَجَعَلَ مِنۡهُ الزَّوۡجَیۡنِ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰی ؕ اَلَیۡسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی﴾ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے اسی طرح کُھلا چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا ٹپکنے والا ایک نطفہ نہیں تھا؟ پھر وہ گوشت کا ٹکڑا ہوا پھر اس کی بہترین برابر خلقت بنی۔ پس اُس (اللہ) نے اُس سے جوڑے مرد اور عورت بنا دیئے۔ کیا یہ (اللہ) اس پر قادر نہیں کہ وہ مُردوں کو زندہ کرے؟

[القیٰمۃ:۳٦-۴۰]

دوم: زمین کے مرنے، خشک و بے آب و گیاہ ہونے کے بعد دوبارہ زندگی پر تنبیہ۔

[ص۴۴]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿وَتَرَی الۡاَرۡضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ وَاَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۭ بَهِیۡجٍ ○ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ وَاَنَّهٗ یُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۙ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیۡبَ فِیۡهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ﴾ اور دیکھتے ہو کہ زمین خشک و بے جان ہے پھر جب اس پر (بارش کے ذریعے) پانی نازل کرتے ہیں تو لہلہانے لگتی ہے، بڑھ جاتی ہے اور ہر قسم کے خوش نما جوڑے اُگاتی ہے۔ یہ اس لئے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور بے شک جو قبروں میں ہیں انھیں اللہ زندہ کرے گا۔[الحج:۵-۷]

اور فرمایا﴿وَمِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّکَ تَرَی الۡاَرۡضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ ؕ اِنَّ الَّذِیۡۤ اَحۡیَاهَا لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ زمین خشک (و مُردہ) ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو لہلہانے اور پھلنے پھولنے لگتی ہے۔ جس نے اسے زندہ کیا وہی مُردوں کو زندہ کرے گا۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔[حٰم السجدۃ:۳۹]

اورفرمایا﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ﴾ وہ زندہ کومُردہ سے،مُردہ کوزندہ سے نکالتا ہےاورزمین کے مُردہ ہونے کے بعد اسے زندہ کرتا ہے،اوراسی طرح تمھیں (قبروں سے) نکالا جائے گا۔[الروم:۱۹]

اورفرمایا﴿وَالَّذِىْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ﴾ اورجس نے آسمان سےایک مقدار کےساتھ پانی اُتارا پھرمُردہ علاقے کوہم نے سرسبزوشاداب کردیا،اسی طرح تمھیں (قبروں سے) نکالا جائے گا۔

[الزخرف:۱۱]

اورفرمایا﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۙ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۙ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ﴾اورہم نے آسمانوں سے برکتوں والا پانی اُتارا پھراس کےساتھ غلے کے دانے اور باغات اُگا دیئے۔اور بلند و بالا کھجوریں جن کے تہ درتہ لپٹے ہوئے گابھے ہوتے ہیں۔یہ بندوں کے لئے رزق ہےاورہم نے مُردہ زمین کوزندہ کیا،اسی طرح خروج ہوگا۔[قٓ:۹-۱۱]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے﴿وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ اوروہی اپنی رحمت کے آگے ہوائیں بھیج دیتا ہے حتیٰ کہ جب بھاری بادلوں کو بلند کرلیتی ہیں تو ہم انھیں مُردہ زمین کی طرف لے جاتے ہیں پھر پانی برساتے ہیں تو اس کے ساتھ ہرقسم کے پھل اُگا دیتے ہیں۔اسی طرح مُردوں کونکالیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرسکو۔[الاعراف:۵۷]

اورفرمایا﴿ وَاللّٰهُ الَّذِىْۤ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ﴾ اوراللہ ہی ہواؤں کوبھیجتا ہے پھروہ

بادلوں کو پھیلاتی ہیں تو ہم انھیں مردہ زمین کی طرف لے جاتے ہیں۔ پھر زمین کے مرنے (بےآب و گیاہ ہونے) کے بعد ہم اسے دوبارہ زندہ کر دیتے ہیں، اسی طرح دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔[فاطر:۹]

سوم: آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسانوں کی تخلیق پر تنبیہ اور یہ انسانوں کی خلقت سے زیادہ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے بڑی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔[المؤمن:۵۷]

اورفرمایا ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمان اور زمین پیدا کئے، وہ اس پر قادر ہے کہ وہ ان جیسی اور مخلوق پیدا کرے۔ اور اس نے اِن کے لئے ایک وقت مقرر کیا ہے جس میں کوئی شک نہیں مگر ظالم لوگ صرف انکار ہی کرتے ہیں۔[بنی اسرآئیل:۹۹]

اورفرمایا ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰهَا﴾ الآیۃ، کیا تمھارا پیدا کیا جانا سخت ہے یا آسمان کا جسے اُس نے بنایا ہے۔[النّٰزعٰت:۲۷] [ص ۴۵]

قیامت کے دن دوبارہ زندگی اس طرح ہوگی کہ دنیا والے اجسام زندہ کر کے اُن میں روحیں پھونک دی جائیں گی تا کہ ثواب و عذاب کا مزہ چکھیں۔ ان روحوں کو جدید اجسام میں نہیں ڈالا جائے گا جو کہ دنیا میں موجود نہیں تھے۔ اور یہی بات ہے جسے کفار بعید (ناممکن) سمجھتے تھے اور انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ﴾ بلکہ وہ حیران ہیں کہ اُن کے پاس انھی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا، پس کافروں نے کہا: یہ چیز عجیب ہے کہ کیا ہم جب مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو دوبارہ زندہ ہوں گے)؟ یہ

دوبارہ زندگی بعید (از امکان) ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ زمین ان میں سے کیا کم کر رہی ہے؟ اور ہمارے پاس نگران کتاب ہے۔ [قٓ:۲-۴]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بتایا کہ وہ ان کے اجسام کے ہر ذرہ کو جانتا ہے جسے زمین کم کر رہی ہے پھر وہ اسے دوبارہ اسی طرح لوٹا دے گا جیسے کہ پہلے تھا۔ پس میت کو اسی جسم کے ساتھ زندہ کیا جائے گا جو اس کا دنیا میں جسم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب مجھے دکھا کہ تُو کس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے؟ فرمایا: کیا تمھیں یقین نہیں ہے؟ کہا: کیوں نہیں! بلکہ یقین ہے لیکن (چاہتا ہوں کہ) میرا دل مطمئن ہو جائے فرمایا: پرندوں میں سے چار لے لو پھر انھیں اپنی طرف آمادہ کرو پھر ہر پہاڑ پر اُن میں سے ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر انھیں بلاؤ تو وہ تمھارے پاس تیزی سے آئیں گے اور جان لو کہ بے شک اللہ زبردست حکیم ہے۔ [البقرۃ:۲۶۰]

ابن کثیر نے سلف (صالحین) کی ایک جماعت سے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چاروں پرندوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُن کے گوشت کو باہم خلط ملط کر دیا [1] اور ہر پہاڑ کی چوٹی پر ایک ٹکڑا رکھا پھر انھیں آواز دی تو ہر پرندے کے ٹکڑے اکٹھے ہو کر پرندہ بن گیا، سب پرندے زندہ ہو کر تیزی سے ان (ابراہیم

---

[1] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''قطعهن ثم اجعلهن فی أرباع الدنيا ربعًا هاهنا وربعًا ها هنا ثم ادعهن يأتينك سعياً'' انھیں کاٹ (کر ٹکڑے ٹکڑے کر) دو پھر چاروں کونوں پر ایک چوتھائی ایک چوتھائی رکھ دو پھر انھیں بلاؤ تو وہ تیزی سے تمھارے پاس آجائیں گے۔ (تفسیر طبری ۳/۳۷ وسندہ صحیح)

مفسر قرآن قتادہ (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''فمزقهن، قال: أمر أن يخلط الدماء بالدماء والريش بالريش ثم يجعل علٰى كل جبلٍ منهن جزءاً'' پس انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دو، کہا: انھیں حکم دیا گیا کہ خون کو خون سے اور پروں کو پروں سے خلط ملط کر دیں پھر ان میں سے ہر ٹکڑے کو ہر پہاڑ پر رکھ دیں۔
(تفسیر عبدالرزاق: ۳۳۵ وتفسیر طبری ۳/۳۸ وسندہ صحیح)

علیہ السلام) کے پاس آ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ○ حَتّٰى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ اور اس دن جب اللہ کے دشمنوں کو اکٹھا کر کے آگ کی طرف لے جایا جائیگا تو وہ ڈانٹے جائیں گے۔حتیٰ کہ جب وہ آگ کے قریب پہنچیں گے تو اُن کے کان، آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی جو کام وہ کرتے تھے۔ وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے کیوں ہمارے خلاف گواہی دی ہے؟ وہ کہیں گی: ہم سے اُس اللہ نے باتیں کرائی ہیں جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے۔اور اسی نے تمھیں پہلے پیدا کیا تھا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر آنا تھا۔ اور تم (گناہ، کفر وشرک) کرتے وقت تو چھپتے نہیں تھے کہ (کہیں) تمھارے خلاف تمھارے کان، آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گے، لیکن تم یہ سمجھتے تھے کہ تمھارے بہت سے اعمال کو اللہ نہیں جانتا۔ اور یہ تمھارا گمان تھا جو کہ تم نے اپنے رب کے بارے میں کیا تھا، اس گمان نے تمھیں تباہ و برباد کر دیا، پس تم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔

[حمٓ السجدۃ:۱۹،۲۳]

یہ آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ دنیاوی جسموں کو ہی لوٹایا جائے گا۔ کان، آنکھیں اور کھالیں (چمڑے) گواہی دیں گے کہ ان لوگوں نے فلاں فلاں گناہ کئے تھے۔

[ص ۴۶]

انھی آیات کی طرح یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ آج ہم اُن کے مونہوں پر

مہر لگاتے ہیں اوران کے ہاتھ بولیں گے، اور پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ یہ یہ کام کرتے تھے
[یٰسٓ:۶۵]

اورارشادفرمایا کہ ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اس دن، جو وہ کام کرتے تھے اس کے بارے میں ان کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے۔[النور:۲۴]

سنت میں بھی اس کی دلیل موجود ہے۔ حدیث میں ایک آدمی کا قصہ آیا ہے جس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے جسم کو جلا دیں اور راکھ کو خشکی اور سمندر میں اُڑا دیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے سمندر اور خشکی کو حکم دیا تو اُس کی راکھ جمع ہو کر وہی جسم بن گئی جو کہ پہلے تھا۔ یہ حدیث صحیح بخاری (۷۵۰۶) و صحیح مسلم (۲۷۵۶) میں (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ساری مخلوقات میدان حشر میں

آخرت پر ایمان میں سے یہ بھی ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے کہ لوگوں کو قبروں سے زندہ کر کے موقف (میدان حشر) میں کھڑا کیا جائے گا۔ اولوالعزم رسولوں کے پاس لوگ جائیں گے تا کہ (اُس دن کی) سختی سے اُنھیں نجات ملے۔ ہمارے نبی (سیدنا) محمد ﷺ کو شفاعتِ کبریٰ حاصل ہے اور یہی مقام محمود ہے۔ اس دن اللہ آئے گا تا کہ بندوں کے درمیان فیصلے کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ اور ہم انھیں اکٹھا کریں گے تو اُن میں سے کوئی بھی (ہم سے) باقی نہیں رہے گا[الکھف:۴۷]

(سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمھیں زندہ کر کے میدان حشر لایا جائے گا، ننگے پاؤں ننگے جسم اور بلا ختنہ ہو گے۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا: میں نے پوچھا یارسول اللہ! مرد اور عورت ایک دوسرے کو دیکھیں گے: تو آپ نے فرمایا: معاملہ شدید ترین ہوگا جو انھیں اس سے مصروف رکھے گا۔[صحیح بخاری:۶۵۲۷ و صحیح مسلم:۲۸۵۹]

یہ روایت (سیدنا) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی بیان کی ہے۔

[دیکھئے صحیح بخاری:٦٥٢٦ وصحیح مسلم:٢٨٦٠]

اس آیت ﴿وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا ۚ﴾ اور آپ کا رب اور فرشتے صف در صف آئیں گے (الفجر:٢٢) کی تفسیر میں ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ''یعنی اپنی مخلوق کے درمیان مقدموں کے فیصلے کے لئے (رب آئے گا) اور یہ اس کے بعد ہوگا جب لوگ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کے سردار (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس شفاعت کے لئے آئیں گے۔ اس سے پہلے ایک ایک کر کے وہ اولوالعزم رسولوں سے درخواست کر چکے ہوں گے۔ اُن میں سے ہر ایک نے یہی جواب دیا ہوگا کہ، میں اس سفارش والا نہیں ہوں حتیٰ کہ لوگ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے تو آپ دو دفعہ فرمائیں گے: میں یہ شفاعت کرتا ہوں۔ پھر آپ جا کر اللہ کے پاس شفاعت کریں گے کہ مقدموں کا فیصلہ کیا جائے تو اللہ آپ کی شفاعت (سفارش) قبول فرمائے گا۔ یہ سب سے پہلی شفاعت ہے اور یہی مقام محمود ہے جس کا بیان سورہ بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے۔ پس رب آئے گا تا کہ جیسے چاہے اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کرے اور فرشتے اس کے سامنے صف در صف آئیں گے۔''

[تفسیر ابن کثیر ٦/٤٥٧] [ص ٤٧]

لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے تو وہ اُن کے اعمال کے مطابق ان سے حساب لے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۫﴾ اور لوگ اپنے رب پر صف در صف پیش کئے جائیں گے (کہا جائے گا) جس طرح ہم نے تمھیں پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح تم ہمارے پاس آ گئے۔ [الکہف:٤٨]

اور فرمایا ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا ؕ اُولٰٓئِکَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ وَ یَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۙ﴾ اور اُس شخص سے بڑا کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے، ان لوگوں کو اپنے رب کے سامنے پیش کیا جائے گا اور گواہ کہیں گے کہ ان لوگوں نے اپنے رب پر جھوٹ

بولا تھا۔خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔[ھود:۱۸]

اورفرمایا﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ اور نامہ اعمال دیا جائے گا تو مجرمین اس میں دیکھیں گے، ڈرے ہوئے اور کہیں گے: ہائے ہماری رُسوائی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے نہ کوئی چھوٹی چیز چھوڑی ہے اور نہ بڑی، سب کچھ اس میں درج ہے۔ وہ اپنے اعمال کو اپنے سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔[الکہف:۴۹]

اورفرمایا﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ؕ﴾ پس جس کو دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملے گا تو اس کا جلدی بہت ہلکا حساب ہوگا اور وہ اپنے (جنتی) ساتھیوں کے پاس خوش خوش واپس لوٹے گا۔اور جس کو پیٹھ پیچھے سے نامہ اعمال ملے گا تو وہ فوراً موت کو پکارے گا اور دہکتی جہنم میں داخل ہوگا۔

[الانشقاق:۷۔۱۲]

اورفرمایا﴿يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ○ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۚ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۚ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۙ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ○ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا ۢ بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ○ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۚ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۚ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۚ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۚ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۚ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۙ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ﴾

اس دن تم پیش ہوگے تمھاری کوئی بات خفیہ نہیں رہے گی۔جس کو دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال مل گیا تو وہ کہے گا: یہ میری کتاب پڑھو، مجھے یہ یقین نہ تھا کہ میرا حساب ہونے والا ہے۔یہ

خوشی والی زندگی میں ہوگا، اونچے باغات میں جن کے گچھے جھکے ہوئے ہوں گے۔ تم نے سابقہ ایام میں جو اعمال کئے تھے تو اب خوب سیر ہو کر کھاؤ پیو۔ اور جس کو بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ملے گا تو وہ کہے گا: ہائے افسوس مجھے میرا نامۂ اعمال نہ ملتا اور نہ مجھے میرے حساب کا پتہ ہوتا۔ ہائے افسوس موت ہی ختم کرنے والی ہوتی (یعنی یہ دوبارہ زندگی نہ ہوتی) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میری سلطنت ہلاک وتباہ ہوگئی۔ پکڑو اسے زنجیروں میں جکڑ لو پھر دہکتی آگ میں داخل کردو۔ پھر ستر (۷۰) ہاتھ لمبے زنجیر میں (باندھ کر) اسے گھسیٹو [الحاقۃ: ۱۸۔۳۲]

اور فرمایا ﴿یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ؕ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ؕ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ﴾ [ص ۴۸]

اس دن لوگ گروہ در گروہ آئیں گے تاکہ ان کے اعمال دکھائے جائیں، پس جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر شر کیا ہوگا وہ دیکھ لے گا۔ [الزلزال: ۶، ۸]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کا حساب لیا گیا تو اسے عذاب دیا جائے گا۔ (سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا: کیا اللہ نہیں فرماتا کہ ﴿فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۙ﴾ پس عنقریب اس کا آسان حساب ہوگا۔ [الانشقاق: ۸] تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: یہ تو صرف عرض یعنی پیشی ہوگی، جس کے حساب کی پڑتال شروع ہوگئی تو وہ شخص ہلاک ہوگیا۔
[صحیح بخاری: ۱۰۳ و صحیح مسلم: ۲۸۷۶]

حوضِ کوثر

آخرت پر ایمان لانے میں سے یہ بھی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے حوض (حوضِ کوثر) پر ایمان لایا جائے۔ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث متواتر ہیں (یعنی علمِ کلام والوں کے نزدیک بھی قطعی ویقینی ہیں)

امام بخاری نے کتاب الرقاق میں باب فی الحوض لکھ کر انیس (۱۹) روایات ذکر کی

ہیں (۶۵۷۵ تا ۶۵۹۳)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ پچاس (۵۰) سے زیادہ صحابیوں نے اسے بیان کیا ہے۔ان میں سے پچیس (۲۵) کا ذکر قاضی عیاض نے اور تین (۳) کا ذکر نووی نے کیا ہے۔انھوں نے ان پر ان کے قریب کا اضافہ کیا ہے تو یہ روایت کرنے والے صحابہ پچاس سے زیادہ ہیں (۱۱/ ۴۶۸۔۴۶۹) امام ابن کثیر نے اپنی کتاب النھایہ (فی الفتن والملاحم) میں تیس (۳۰) سے زیادہ صحابہ کی روایات مع سند و متن وحوالہ ذکر کی ہیں (۲/ ۲۹۔۶۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کی صفت میں یہ حدیث بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے حوض کی لمبائی ایک مہینے کی مسافت ہے،،اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک کستوری سے زیادہ پاک ہے،اس کے پیالے آسمان کے ستاروں کی طرح (لاتعداد) ہیں۔جو شخص اس میں سے پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا''
اسے بخاری نے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے۔(۶۵۷۹)

صحیح مسلم (۲۲۹۲) میں اس روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ''میرا حوض ایک مہینے کی مسافت ہے۔اس کے کنارے برابر ہیں،اس کا پانی چاندی سے زیادہ سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک کستوری سے زیادہ ہے اس کے پیالے آسمان کے ستاروں جیسے ہیں،جس نے اس سے پی لیا تو اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی''

(سیدنا) ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں آیا ہے کہ ''اس میں جنت کے دو پرنالے بہہ رہے ہوں گے جو اس سے پی لے گا تو اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔اس کی لمبائی چوڑائی برابر ہے جتنا کہ عمان اور اَیلہ کے درمیان فاصلہ ہے۔اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔'' [صحیح مسلم:۲۳۰۰] [ص۴۹]

لوگوں میں سے بعض کو حوض سے دُور ہٹایا جائے گا۔(سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں حوض پر تمھارا منتظر رہوں گا۔کچھ لوگ میرے

سامنے آئیں گے پھر انھیں مجھ سے دور ہٹا دیا جائے گا تو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے ساتھی (یعنی اُمتی) ہیں تو کہا جائے گا: آپ کو پتہ نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعات گھڑی تھیں'' (صحیح البخاری:٦٥٧٦)

یہاں ساتھیوں سے مراد وہ تھوڑے سے لوگ ہیں جو نبی ﷺ کی وفات کے بعد مُرتد ہوگئے تھے اور انھیں اُن فاتح لشکروں نے قتل کیا تھا جنھیں (سیدنا) ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

صحابۂ کرام کے دشمن، رافضی [1] فرقے والے یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد، چند ایک کو چھوڑ کر (تمام) صحابۂ کرام مرتد ہوگئے تھے اور انھیں حوض سے دُور ہٹایا جائے گا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ رافضی فرقہ والے ہی اس کے مستحق ہیں کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے حوض سے دُور ہٹایا جائے کیونکہ وہ وضو میں اپنے پاؤں نہیں دھوتے بلکہ ان پر مسح کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ((ویل للأعقاب من النار)) ایڑیوں کے لئے خرابی ہو وہ جہنم میں جلیں گی۔ [صحیح بخاری:١٦٥ و صحیح مسلم:٢٤٢ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ]

رافضیوں کے وضو میں دھوئے جانے والے (بعض) اعضا کی سفیدی نہیں ہوگی جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''میرے اُمتی قیامت کے دن وضو کے آثار کی وجہ سے چمک دار سفید اعضا کے ساتھ آئیں گے''، یعنی وضو کے اعضا چمک رہے ہوں گے۔

[صحیح بخاری:١٣٦ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ]

اعمال کا وزن اور میزان

آخرت پر ایمان لانے کا یہ مطلب بھی ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے کہ بندوں کے اعمال تولے جائیں گے انھیں گِنا اور تولا جا سکتا ہے۔ جس کا وزن زیادہ ہوا تو وہ نجات

---

[1] رافضی فرقہ ''شیعوں کا ایک فرقہ جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مذمت اور کردار کُشی کو جائز سمجھتا ہے'' (القاموس الوحید ص ٦٤٨)

پا جائے گا اور جس کا وزن کم ہوا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِیْنَ﴾ اور ہم قیامت کے دن عدل وانصاف والی میزانیں قائم کریں گے، پس کسی نفس پر کوئی ظلم نہیں ہوگا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (عمل) ہوگا تو ہم اسے (سامنے) لائیں گے اور ہم حساب لینے کے لئے کافی ہیں۔

[الانبیآء:۴۷]

اور فرمایا ﴿وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ﹰالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ﴾ اور اس دن وزن حق ہی ہوگا، پس جن کے وزن بھاری ہوئے تو وہی لوگ کامیاب ہوں گے اور جن کے وزن ہلکے ہوئے تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہوں گے کیونکہ یہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔ [الاعراف:۸،۹] [ص۵۰]

اور فرمایا ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ o فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن لوگوں کے درمیان نہ کوئی نسب ہوگا اور نہ ایک دوسرے سے (مدد) مانگیں گے۔ پس جن کے وزن بھاری ہو گئے تو وہی کامیاب ہوں گے اور جن کے وزن ہلکے ہو گئے تو وہی اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالنے والے ہوں گے (اور) جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

[المؤمنون:۱۰۱۔۱۰۳]

اور فرمایا ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ۙ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ؕ o وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ؕ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا هِیَهْ ؕ نَارٌ حَامِیَةٌ﴾ پس جس کے اوزان بھاری ہوئے تو وہ خوشی والی زندگی میں ہوگا اور جس کے اوزان ہلکے ہوئے تو اس کا ٹھکانا ہاویہ (جہنم) ہے اور آپ کو کیا پتہ کہ ہاویہ کیا ہے؟ جلانے والی آگ ہے [القارعۃ:۶۔۱۱]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طہور آدھا ایمان ہے۔ اور الحمدللہ کے ساتھ میزان بھر جائے گی۔ اور سبحان اللہ والحمدللہ کے ساتھ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے بھر جائے گا۔
[صحیح مسلم:۲۲۳]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو کلمے رحمٰن کو پیارے ہیں، زبان پر کہنے آسان ہیں اور میزان میں بھاری ہوں گے: سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم'' [صحیح بخاری:۷۵۶۳ وصحیح مسلم:۲۶۹۴]

اعمال اگرچہ اعراض [1] ہیں لیکن اللہ انھیں اجسام بنا دے گا جنھیں میزان میں رکھ کر تولا جائے گا۔ بندوں کے اعمال کے وزن کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کا اظہار ہو اور بندے کو اس کے اعمال کی (پُوری) خبر واطلاع ہو۔ بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر چیز کے بارے میں پُورا جانتا ہے اور اسی میں سے بندوں کے اعمال ہیں (وہ انھیں پورا جانتا ہے) اگرچہ ان کا وزن کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

جس طرح اعمال کا وزن ہوگا اسی طرح اعمال کے صحیفوں کا بھی وزن ہوگا جیسا کہ حدیثِ بطاقہ اور حدیث سجِلات (رجسٹروں والی حدیث) میں آیا ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ، میری اُمت میں سے ایک بندے کو قیامت کے دن لوگوں کے سامنے لائے گا۔ پھر اُس کے (اعمال کے) ننانوے (۹۹) رجسٹر کھولے جائیں گے۔ ہر رجسٹر حدِ نظر تک ہوگا۔ پھر اللہ کہے گا: کیا تُو ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے لکھنے والے محافظ فرشتوں نے تجھ پر کوئی ظلم کیا ہے؟ تو کہے گا: نہیں اے میرے رب! تو اللہ فرمائے گا: کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ تو وہ کہے گا: نہیں اے میرے رب! تو اللہ فرمائے گا کہ ہاں تیری ہمارے پاس ایک نیکی ہے۔ آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ پھر ایک پرزہ نکالا جائے گا جس پر لکھا ہوگا کہ'' **أشهد أن لا إلٰـه إلا الـلـه و أشهد أن محمداً عبدالله و**

---

[1] علم منطق میں ہر اُس چیز کو العرض (جمع اعراض) کہتے ہیں جو قائم بالغیر ہو، خود اس کا وجود نہ ہو برخلاف جوہر کے، دیکھئے القاموس الوحید (ص ۳/۱۰۶۸) مثلاً رنگ اور کپڑا۔ اس میں رنگ عرض ہے اور کپڑا جوہر۔
(فیروز اللغات ص ۸۹۴)

رسولہ''

پھر فرمائے گا اپنا وزن دیکھ تو وہ کہے گا: اے میرے رب! یہ کاغذ کا پرزہ ان رجسٹروں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ تو اللہ فرمائے گا: آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ پھر رجسٹروں کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور دوسرے پلڑے میں کاغذ کا وہ پرزہ رکھا جائے گا تو (گناہوں والے) رجسٹر ہلکے ہو کر بلند ہو جائیں گے اور وہ پرزہ بھاری ہو کر جھک جائے گا۔ اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی'' [سنن الترمذی: ۲۶۳۹ وقال: ''حسن غریب'' اسے حاکم ۱/۶، اور ذہبی نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، نیز دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للألبانی: ۱۳۵] [ص ۵۱]

عمل کرنے والے کا بھی وزن ہو سکتا ہے جیسا کہ (سیدنا) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی پنڈلیوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ دونوں پنڈلیاں میزان میں اُحد سے زیادہ بھاری ہیں'' یہ حدیث حسن ہے، اسے احمد (ح ۳۹۲۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ [ج ۱ ص ۴۲۰، ۴۲۱ وسندہ حسن]

پل صراط

پل (صراط) پر ایمان لانا بھی آخرت پر ایمان لانے میں سے ہے۔ یہ ایک پل ہے جسے جہنم پر رکھا جائے گا۔ جنت پہنچنے کے لئے، مسلمان اپنے اعمال کے مطابق اس سے گزریں گے۔ بعض تو بجلی کی طرح گزریں گے اور بعض ہوا کی طرح اور بعض گھسٹتے ہوئے گزریں گے۔

صحیح بخاری (۸۰۶) وصحیح مسلم (۲۹۹) میں (سیدنا) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں آیا ہے کہ ''جہنم کی پیٹھ پر (پل) صراط نصب کیا جائے گا۔ رسولوں میں، سب سے پہلے، میں اپنی اُمت کو لے کر یہاں سے گزروں گا۔ اس دن رسولوں کے سوا کوئی بھی بات نہیں کرے گا۔ اس دن رسولوں کا یہی کلام ہوگا کہ ((اللھم سلّم سلّم)) اے اللہ! سلامتی دے محفوظ رکھ'' جہنم میں لوہے کے کانٹے ہوں گے جیسے سَعدان (کانٹوں والے

ایک درخت) کے کانٹے ہوتے ہیں۔کیاتم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟لوگوں نے کہا: جی ہاں،آپ نے فرمایا: یہ سعدان جیسے کانٹے ہوں گے لیکن ان کی بڑائی (اور شدت) تو صرف اللہ ہی جانتا ہے لوگوں کو اُن کے اعمال کے مطابق اُچک لیں گے۔بعض تو اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے اور بعض کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے پھر انھیں نجات ملے گی''

(سیدنا) ابو ہریرہ اور (سیدنا) حذیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت میں آیا ہے کہ ''امانت اور رحم کو بھیجا جائے گا تو وہ دونوں (پل) صراط کے دائیں بائیں کھڑے ہو جائیں گے۔تم میں سے پہلے لوگ بجلی کی طرح (انتہائی تیزی سے) گزریں گے۔ میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، بجلی کی طرح گزرنے سے کیا مراد ہے؟ [ص ۵۲]

آپ نے فرمایا: تم نہیں دیکھتے کہ بجلی کس طرح پلک جھپکتے گزرتی اور آجاتی ہے؟ پھر ہوا کی طرح گزریں گے پھر پرندوں اور تیز مردوں کی طرح گزریں گے۔ان کے اعمال انھیں چلا دوڑا رہے ہوں گے۔اور تمھارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) صراط پر کھڑے ((رب سلّم سلّم)) اے میرے رب سلامتی سلامتی، کہہ رہے ہوں گے حتیٰ کہ بندوں کو اُن کے اعمال بے بس کر دیں گے۔ایک آدمی آئے گا تو وہ گھسٹتے ہوئے ہی چل سکے گا۔صراط کی دونوں طرف لٹکے ہوئے کانٹے ہیں۔جنھیں اُچک لینے کا حکم ہو گا تو وہ اُسے اُچک لیں گے۔بعض زخمی نجات پانے والے ہوں گے اور بعض اوندھے مُنہ جہنم میں گرائے جائیں گے'' [صحیح مسلم:۳۲۹]

(سیدنا) ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ'' پھر جہنم پر پُل ڈالا جائے گا اور شفاعت حلال ہوگی۔لوگ کہیں گے: اے اللہ سلامت رکھ، نجات دے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! پُل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: گرانے والی پھسلوان، اس میں ٹک نما لوہے کے کڑے، اُچکنے والے کانٹے اور چمٹنے والے سخت کانٹے ہیں۔نجد (اونچی زمین والے علاقے) میں ایک کانٹے دار درخت ہوتا ہے جسے سَعدان کہتے ہیں (اُس جیسے یہ کانٹے ہوں گے) مومنین اس پر سے پلک جھپکتے، بجلی اور ہوا کی طرح گزریں گے۔بعض پرندوں، تیز گھوڑوں

اور سواروں کی طرح گزریں گے۔ بعض صحیح سالم بچ جائیں گے، بعض زخمی ہو کر گزریں گے اور بعض اوندھے مُنہ جہنم کی آگ میں گِر جائیں گے'' [صحیح مسلم:۳۰۲]

شفاعتِ کبریٰ

آخرت پر ایمان لانے میں سے یہ بھی ہے کہ کتاب وسنت میں جن شفاعتوں (سفارشوں) کا ذکر آیا ہے اُن پر ایمان لایا جائے۔ اسی میں سے ہمارے نبی ﷺ کے لئے خاص شفاعتِ کُبرٰی ہے جس کے ذریعے میدانِ حشر میں کھڑے لوگوں کی خلاصی ہوگی اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کی تعریف آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک سب اولین وآخرین کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے کلام میں، قریب ہی اشارہ گزر چکا ہے۔ [دیکھئے ص ۴۸/الاصل]

اللہ کے اذن سے شفاعتیں

اسی میں سے وہ شفاعت بھی ہے جو اس کے بارے میں کی جائے گی جو آگ (کے عذاب) کا مستحق ہوگا تاکہ وہ جہنم میں داخل ہونے سے بچ جائے۔ نبی ﷺ اور دوسرے انبیاء کا (پُل) صراط پر'' اللھم سلّم سلّم '' کہنا اسی کی دلیل ہے۔ یہ دونوں حدیثیں ابھی گزری ہیں جن میں صراط عبور کرنے کا ذکر ہے۔ [دیکھئے ص ۵۲، ۵۳/الاصل]

اسی میں سے وہ شفاعت بھی ہے کہ جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے ان کے لئے شفاعت کی جائے گی تاکہ وہ اپنے اعمال کے ثواب اور درجات سے زیادہ درجوں پر فائز ہو جائیں۔ [ص۵۳]

اِس کی دلیل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی، ہم ان کی اولاد کو اُن کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے اعمال میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ [الطّور:۲۱]

اور اسی میں سے وہ شفاعت بھی ہے جس کے ذریعے بغیر حساب کے جنت میں داخلہ ہوگا۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے (سیدنا) عکاشہ بن محصن (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں دُعا فرمائی تھی کہ وہ ان ستر (۷۰) ہزار لوگوں میں شامل ہوں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اسے بخاری (۵۸۱۱) اور مسلم (۲۱۶) نے روایت کیا ہے۔

اسی میں سے وہ شفاعت بھی ہے جو آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے بارے میں کریں گے تاکہ اُن کے عذاب میں تخفیف (کمی) ہو۔ وہ آگ کے چھوٹے سے گڑھے میں ڈالے جائیں گے جس میں ان کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ یہ تخفیف درج ذیل آیت کی تخصیص کرتی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا، اُن کے لئے جہنم کی آگ ہے۔ ان کے لئے موت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور نہ اُن کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ [فاطر:۳۶]

اسی میں سے آپ ﷺ کی وہ شفاعت ہے جس کے ذریعے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کی دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ((أنا أوّل الناس يشفع في الجنة و أنا أكثر الأنبياء تبعًا)) میں سب سے پہلے، جنت میں لوگوں کے داخلے کے لئے شفاعت کروں گا اور نبیوں میں، میری اتباع کرنے والے لوگ سب سے زیادہ ہوں گے۔ [صحیح مسلم:۱۹۶]

بعض الفاظ میں آیا ہے کہ ''قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے لوگ، سب انبیاء کی بہ نسبت زیادہ ہوں گے اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا'' [مسلم:۱۹۶]

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں قیامت کے دن جنت کے دروازے کے پاس آکر دروازہ کھلواؤں گا تو محافظ داروغہ کہے گا: آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا؟ محمد (ﷺ) تو وہ کہے گا: مجھے آپ کے (حکم کے) ساتھ ہی دروازہ کھولنے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ کہ آپ سے

پہلے کسی کے کہنے پر دروازہ نہ کھولوں'' [صحیح مسلم:۱۹۷]

اسی میں سے وہ شفاعت بھی ہے جس کے ذریعے کبیرہ گناہ کرنے والوں کو (جہنم کی) آگ سے نکالا جائے گا۔ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث تواتر کے ساتھ آئی ہیں جیسا کہ شارح عقیدہ طحاویہ (ابن ابی العز الحنفی) نے کہا ہے [ص۲۹۰]

انھی میں سے وہ روایت ہے کہ (سیدنا) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کی ایک دعا (ضرور) قبول ہوتی ہے۔ ہر نبی نے اپنی اپنی دعا کر لی ہے اور میں نے اپنی دعا بچا رکھی ہے تا کہ قیامت کے دن میں اپنی اُمت کی شفاعت کروں۔ یہ ان شاء اللہ میری اُمت کے ہر اُس آدمی کو حاصل ہوگی جس نے مرتے دم تک شرک نہ کیا ہوگا۔'' [صحیح بخاری:۶۳۰۴ وصحیح مسلم:۱۹۹ واللفظ لہ] [ص۵۴]

یہ شفاعت فرشتوں، نبیوں اور مومنوں کو بھی حاصل ہوگی جیسا کہ صحیح مسلم (۱۸۳) میں (سیدنا) ابوسعید (الخدری رضی اللہ عنہ) کی بیان کردہ حدیث میں آیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فرشتوں نے شفاعت کی، نبیوں نے شفاعت کی، مومنوں نے شفاعت کی، اب صرف ارحم الراحمین ہی باقی ہے۔۔'' الخ

جنت اور جہنم پر ایمان

آخرت پر ایمان لانے میں سے جنت اور جہنم پر ایمان لانا بھی ہے کہ دونوں اب موجود ہیں اور جنت وجہنم ہمیشہ باقی رہیں گی (یعنی کبھی فنا نہیں ہوں گی)

اللہ نے اپنے دوستوں کے لئے جنت اور اپنے دشمنوں کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ مومنوں کے لئے جنت کی تیاری کا ذکر ان آیات میں ہے کہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْ هُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّلَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ اور مہاجرین وانصار میں سے سابقون اولون اور جن لوگوں نے احسان

کے ساتھ ان کی اتباع کی ، اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ نے اُن کے لئے ایسے باغات تیار کئے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔[التوبۃ:۱۰۰]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴾ اور اپنے رب کی مغفرت کی طرف تیز چلو اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین ہیں، یہ متقین (تقویٰ کرنے والوں) کے لئے تیار کی گئی ہے۔[آل عمران:۱۳۳]

اور فرمایا ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ﴾ اپنے رب کی مغفرت کی طرف (ایک دوسرے سے پہلے) جاؤ اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین جیسی ہے، یہ اُن لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔[الحدید:۲۱]

اللہ کے دشمنوں کیلئے (جہنم کی) آگ کی تیاری کا ذکر درج ذیل آیات میں آیا ہے:

﴿وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ اور تا کہ منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں، اور اللہ کے بارے میں بدگمانی کرنے والوں کو عذاب دے۔ اُن کی بدگمانی انھی پر آنے والی ہے۔ اور اللہ نے اُن پر غضب کیا اور ان پر لعنت کی اور اُن کے لئے جہنم تیار کی اور یہ بُرا ٹھکانا ہے۔[الفتح:۶]

اور فرمایا ﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔[آل عمران:۱۳۱]

اور فرمایا ﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے[البقرۃ:۲۴]

سنت سے بھی یہ ثابت ہے کہ جنت اور جہنم اب موجود ہیں۔نماز کسوف کے بارے میں (سیدنا) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی (بیان کردہ) حدیث میں آیا ہے کہ'' لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنی جگہ کھڑے ہو کر کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کی، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا تو کھجور کا ایک خوشہ لینے کی کوشش کی۔اگر میں اسے لے لیتا تو تم لوگ ہمیشہ، جب تک دنیا باقی ہے،اسی سے کھاتے رہتے۔اور مجھے آگ دکھائی گئی۔میں نے آج جیسا شدید منظر کبھی نہیں دیکھا اور میں نے دیکھا کہ دوزخ میں اکثریت عورتوں کی ہے...الخ

[صحیح بخاری:۱۰۵۲ او صحیح مسلم:۹۰۷] [ص ۵۵]

اور بعض مبتدعین مثلاً معتزلہ [1] سے جو آیا ہے کہ جنت اور جہنم صرف قیامت کے دن ہی پیدا کی جائیں گی کیونکہ اس سے پہلے ان کا پیدا کیا جانا عبث (فضول) ہے۔اگر ایسا مان لیا جائے تو اس طرح لمبے عرصے تک جنت بے فائدہ رہتی ہے اور جہنم کا نقصان کسی کو نہیں ہوتا۔مبتدعین کا یہ قول کئی وجہ سے باطل ہے۔

اول: آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ جنت وجہنم کی تخلیق اور وجود قیامت سے پہلے ہے۔ان میں سے بعض کا ذکر قریباً ہی گزر رہا ہے۔ [دیکھئے صفحہ سابقہ:۵۵/الاصل]

دوم: جنت کے وجود میں اُس کی ترغیب اور شوق دلانا ہے اور آگ کے وجود میں اس سے ڈر اور خوف ہے۔

سوم: نصوصِ کتاب وسنت میں اس کی دلیل آئی ہے کہ قیامت سے پہلے جنت کی نعمتوں سے نفع اُٹھایا جاتا ہے اور قیامت سے پہلے جہنم کا ضرر بعض لوگوں کو پہنچ رہا ہے۔ان میں سے بعض دلائل کا ذکر عذابِ قبر اور راحتِ قبر کے تحت گزر چکا ہے۔ [دیکھئے ص ۴۰۔۴۳/الاصل]

جس جنت سے آدم (علیہ السلام) کو اُتارا گیا تھا، اُس کے بارے میں تین اقوال ہیں:

---

[1] ایک بدعتی فرقہ ہے'' ان کے نزدیک قرآن مخلوق ہے ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید عقلاً معلوم ہو سکتی ہے اس لئے وحی کے بغیر ہی اہل عقل وحکمت توحید پر ایمان لا سکتے ہیں.'' (فیروز اللغات ص ۱۲۶۲)
یہ فرقہ صحیح احادیث کا انکار کرتا تھا اور منزلۃ بین المنزلتین کا قائل تھا۔

اول: وہ جنتِ خلد ہے، اور یہی قول زیادہ ظاہر (اور صحیح) ہے۔ [1]

دوم: زمین میں کسی اونچے مکان پر جنت تھی۔

سوم: توقف کیا جائے۔

ابن القیم نے اس مسئلے میں اختلاف کا ذکر کیا ہے اور اول و دوم اقوال والوں کی دلیلیں لکھی ہیں اور ہر گروہ کے جوابات ذکر کئے ہیں جو انھوں نے دوسروں کے استدلالات کے دیئے ہیں اور کسی کو ترجیح نہیں دی دیکھئے حادی الارواح (ص ۱۶ تا ۳۲)

ابن القیم کے قصیدہ میمیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اول قول والوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ابن القیم فرماتے ہیں:

فحيّ على جنات عدن فإنها — منازلک الأولٰی وفیهاالمخيّم

ولکننا سبي العدو فهل تری — نعود إلٰی أوطاننا و نسلّم

پس جناتِ عدن کی طرف آ کیونکہ بے شک وہ تیری پہلی منزلیں ہیں اور ان میں خیمے ہیں اور لیکن ہم دشمن کے قیدی ہیں، کیا تو دیکھتا ہے (کیا) ہم اپنے اوطان (وطن) میں واپس جائیں گے اور امن میں ہو جائیں گے؟ [ص ۵۶]

جنت اور جہنم (ہمیشہ) باقی رہیں گی، کبھی فنا اور ختم نہیں ہوں گی۔ جنتی ہمیشہ نعمتوں میں رہیں گے اور کفار ہمیشہ جہنم کے عذاب میں رہیں گے۔ جن آیات سے جنت کا (ہمیشہ) باقی رہنا اور جنتیوں کا ہمیشہ جنت میں رہنا آیا ہے ان میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ

---

[1] بعض اہلِ بدعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جنت اور جہنم ابھی تک پیدا نہیں ہوئیں۔ یہ عقیدہ سراسر باطل ہے اور کتاب وسنت کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ جہنم کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۴)

اور جنت کے متعلق ارشادِ ربانی ہے: اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۳)

دونوں جگہ ''اُعِدَّتْ'' ماضی کے صیغے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ بعض اہلِ بدعت کا عقیدہ باطل ہے۔

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَاالْاَنْھٰرُ ؕ کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْھَا مِنْ ثَمَرَۃٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْاھٰذَاالَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْابِہٖ مُتَشَابِھًا ؕ وَلَھُمْ فِیْھَآاَزْوَاجٌ مُّطَھَّرَۃٌ وَّ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ﴾ جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اُنھیں خوش خبری دے دو کہ بے شک اُن کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب بھی انھیں پھلوں میں سے کوئی رزق دیا جائے گا، کہیں گے: یہ رزق تو ہمیں پہلے (بھی) دیا گیا تھا۔ انھیں (دنیا سے) متشابہ رزق دیا جائے گا اور اُن کے لئے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔[البقرۃ:۲۵]

اور فرمایا﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاوَعَمِلُواالصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًاۙ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَایَبْغُوْنَ عَنْھَاحِوَلًا﴾ بے شک جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو اُن کے لئے جنت الفردوس کی میزبانی ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہاں سے تبدیلی نہیں چاہیں گے۔[الکھف:۱۰۷، ۱۰۸]

اور فرمایا﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ؕاُدْخُلُوْھَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَoوَنَزَعْنَامَافِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍمُّتَقٰبِلِیْنَ o لَا یَمَسُّھُمْ فِیْھَانَصَبٌ وَّمَاھُمْ مِّنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ﴾ بے شک تقویٰ اختیار کرنے والے باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ، ان کے دلوں میں جو کدورت ونفرت ہوگی ہم اسے نکال دیں گے۔ وہ بھائی بنے، آمنے سامنے تختوں پر (بیٹھے) ہوں گے۔ نہ تو انھیں اس (جنت) میں تکلیف ہوگی اور نہ انھیں اس سے نکالا جائے گا۔[الحجر:۴۵۔۴۸]

اور فرمایا﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاوَعَمِلُواالصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُالْبَرِیَّۃِ ؕ جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَاالْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآاَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْاعَنْہُ ؕ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہی سب سے بہترین لوگ ہیں۔ ان کے رب کے ہاں اُن کا بدلہ جنت عدن ہے جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے

راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہ اُس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے [البینۃ: ۷، ۸]

جن آیات میں بقائے جہنم اور اس میں کافروں کے ہمیشہ رہنے کا ذکر آیا ہے، بعض درج ذیل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ [البقرۃ: ۳۹]

اور فرمایا ﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ اور وہ آگ سے باہر نہیں نکلیں گے۔ [البقرۃ: ۱۶۷]

اور فرمایا ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ اور وہ آگ سے نکلنا چاہیں گے (لیکن) وہ اس سے باہر نہیں نکل سکیں گے اور اُن کے لئے قائم ودائم، ہمیشہ کا عذاب ہوگا۔ [المآئدۃ: ۳۷]

اور فرمایا ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾ پس انھیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کوئی نفع نہیں دے گی۔ [المدثر: ۴۸]

اور فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لئے جہنم کی آگ ہے اُن پر موت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور نہ اُن کے عذاب میں تخفیف (کمی) ہوگی، ہر کافر کو ہم اسی طرح بدلہ دیں گے۔ [فاطر: ۳۶] [ص ۵۷]

اور فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۙ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر وظلم کیا (تو) اللہ تعالیٰ انھیں معاف نہیں کرے گا۔ وہ اس (جہنم) میں ہمیشہ رہیں گے، اور اللہ کیلئے یہ آسان ہے۔ [النسآء: ۱۶۸، ۱۶۹]

اور فرمایا ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ﴾

اور جس نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی بے شک اس کے لئے جہنم کی آگ ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ [الجن:۲۳]

اور فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَعَنَ الْکٰفِرِیْنَ وَاَعَدَّ لَھُمْ سَعِیْرًا ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ج لَایَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا﴾ بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی اور ان کے لئے دہکتی ہوئی جہنم تیار کی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، نہ کسی کو اپنا ولی پائیں گے اور نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا۔ [الاحزاب:۶۴،۶۵]

اور فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ط اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ﴾ بے شک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جس نے کفر کیا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے، یہی لوگ سب سے بُرے لوگ ہیں [البینۃ:۶]

جنت اور دوزخ کا ہمیشہ باقی رہنا اور جنتیوں و جہنمیوں کا ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا اس کے مخالف و منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے آخر ہے، اُس کے بعد کوئی چیز نہیں کیونکہ اللہ کا ہمیشہ باقی رہنا اُس کی ذات کی صفتِ لازمہ ہے اور جنت و جہنم اس لئے باقی رہیں گی کہ اللہ انھیں باقی رکھے گا۔ اگر اللہ انھیں باقی نہ رکھتا تو یہ ضرور فنا ہو جاتیں۔ [1]

کتاب و سنت میں جنت و جہنم کی جن صفات کا ذکر آیا ہے اور جنت میں جو نعمتیں ملتی ہیں اور جہنم میں جو عذاب ہوتا ہے اُس پر ایمان لانا فرض ہے۔

رب کا دیدار

آخرت پر ایمان لانے میں سے یہ بھی ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے کہ اہلِ ایمان قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے۔ نعمتوں والے گھر میں اُن کے لئے یہ سب سے بڑی نعمت ہوگی۔ اس (عقیدے) کی دلیل کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ

---

[1] اس مسئلے پر تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے رفع الأستار لإبطال أدلة القائلين بفناء النار (تصنیف: محمد بن اسماعیل الصنعانی و تحقیق محمد ناصر الدین الالبانی، رحمہما اللہ) یہ بہت مفید کتاب ہے۔ بعض اہلِ بدعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جنت اور جہنم آخرکار فنا ہو جائیں گی۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ باطل ہے۔

میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ [القیٰمۃ: ۲۲، ۲۳]

اور فرمایا ﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ ہرگز نہیں وہ اس دن اپنے رب سے دور ہٹائے جائیں گے۔ [المطففین: ۱۵]

(امام) شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جب حالتِ غضب میں ان لوگوں کو ہٹایا جائے گا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ مومنین حالتِ رضا میں اسے (رب کو) دیکھیں گے۔''

[تفسیر ابن کثیر ۶/۴۱۵، احکام القرآن للبیہقی عن الشافعی ص ۴۰ وفی سندہ نظر]

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ط﴾ جن لوگوں نے نیکی کی اُن کے لئے اچھا اجر اور زیادہ ہے۔ [یونس: ۲۶]

الحسنٰی (اچھا اجر) سے مراد جنت ہے۔ اور زیادۃ سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنا ہے جیسا کہ اس کی تفسیر میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کوئی چیز تمھیں (اس سے) زیادہ چاہئے؟ تو وہ کہیں گے: کیا تو نے ہمارے چہرے سفید (وروشن) نہیں کردیئے؟ کیا تو نے ہمیں جہنم سے بچا کر جنت میں داخل نہیں کردیا؟ اللہ پردے ہٹائے گا۔ پس انھیں جتنی نعمتیں دی گئیں اُن میں ان کے نزدیک سب سے زیادہ نعمت اپنے رب کا دیدار ہوگا، پھر آپ (ﷺ) نے یہ آیت پڑھی ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ط﴾ جن لوگوں نے نیکی کی اُن کے لئے اچھا اجر اور زیادہ ہے۔'' [صحیح مسلم: ۲۹۷ عن صہیب رضی اللہ عنہ] [ص ۵۸]

آیتِ کریمہ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج﴾ آنکھیں اُس کا ادراک (احاطہ) نہیں کرسکتیں وہ آنکھوں کا ادراک (احاطہ) کرتا ہے [الانعام: ۱۰۳] کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان لوگ اللہ کو دیکھیں گے مگر اُس کا احاطہ نہیں کرسکیں گے۔ وہ دیکھا تو جاسکتا ہے مگر اس کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ یعنی ایسی رؤیت نہیں ہوسکتی جس میں اللہ کا احاطہ ہوجائے۔ جیسا کہ اللہ کے بارے میں علم تو ہے لیکن علم اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ نفیِ ادراک

(یعنی احاطہ) خاص مسئلہ ہے، جس سے نفیِ رؤیت لازم نہیں ہوتی کیونکہ رؤیتِ باری تعالیٰ عام ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ﴾ اور جب ہمارے مقرر شدہ وقت پر موسیٰ آئے اور ان کے رب نے اُن سے کلام کیا، انھوں نے کہا: اے میرے رب، مجھے دکھا، میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں، فرمایا: تو مجھے نہیں دیکھ سکتا، لیکن اس پہاڑ کو دیکھ اگر یہ اپنے مقام پر کھڑا رہ گیا تو عنقریب تُو مجھے دیکھے گا۔ جب رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی نازل کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے (الاعراف: ۱۴۳) موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب سے ایک ممکن بات کا سوال کیا تھا، وہ مستحیل (غیر ممکن) بات کا سوال کرنے والے نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ آخرت میں ہی اسے دیکھا جائے کیونکہ اُس کی رؤیت سب سے بڑی نعمت ہے، لہٰذا ارشادِ باری تعالیٰ ﴿لَنْ تَرَانِيْ﴾ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا، سے مراد دنیا میں ہے۔ اس کی دلیل حدیث میں بھی آئی ہے کہ جان لو کہ تم میں سے کوئی آدمی بھی اپنے رب کو اپنی موت سے پہلے نہیں دیکھ سکتا۔ [صحیح مسلم: ۲۹۳۱]

ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب حادی الارواح (ص ۱۷۹۔۱۸۶) میں کتاب اللہ وغیرہ سے یہ دلیلیں بیان کی ہیں پھر سنت سے ستائیس (۲۷) صحابہ کی احادیث بیان کی ہیں۔ پھر صحابہ، تابعین اور ان کے بعد اہلِ سنت والجماعت (کے علماء) کے اقوال ذکر کئے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ صحابہ وسلف صالحین کا اس پر اجماع ہے کہ جنتی جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

☆☆☆

تقدیر پر ایمان

ششم: اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان کے بارے میں قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں اور بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسئلۂ تقدیر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو قدر (تقدیر ومقدار) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ [القمر:۴۹]

اور فرمایا ﴿قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ﴾ کہہ دو ہمیں تو وہی مصیبت پہنچتی ہے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے۔ [التوبۃ:۵۱] [ص ۵۹]

اور فرمایا ﴿مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ﴾ زمین میں اور تمھیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ واقع ہونے سے پہلے ہماری کتاب میں درج ہے، اللہ کے لئے یہ (بہت) آسان ہے۔ [الحدید:۲۲]

رہی سنت تو امام بخاری وامام مسلم نے صحیحین میں تقدیر کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں جن میں ایسی بہت سی احادیث ہیں جن سے تقدیر ثابت ہوتی ہے۔

(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے قوی مومن بہتر اور پسندیدہ ہے اور (ان) سب میں خیر ہے۔ جو چیز تجھے نفع دے اُس کی حرص کر، اللہ سے مدد مانگ اور عاجز نہ بن۔ اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہنا کہ اگر میں ایسے ایسے کرتا تو ایسا ہوتا۔ بلکہ یہ کہہ: اللہ کی یہی تقدیر ہے، اُس نے جو چاہا ہُوا۔ کیونکہ لَوْ (اگر مگر) شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ [صحیح مسلم:۲۶۶۴]

طاوس (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کو یہ فرماتے ہوئے پایا ہے کہ ہر چیز تقدیر سے ہے اور میں نے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز تقدیر ہے حتیٰ کہ (دماغی) عاجزی اور ذہانت بھی تقدیر سے ہے۔

[صحیح مسلم: ۲۶۵۵]

عاجزی اور ذہانت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تروتازہ کی تروتازگی، سُست کی سُستی اور عاجزی سب تقدیر سے ہے۔ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ''اس کا معنی یہ ہے کہ عاجز کی عاجزی اور ذہین کی ذہانت تقدیر میں لکھی ہوئی ہے''

[شرح صحیح مسلم ۲۰۵/۱۶]

آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر آدمی کا جنت و دوزخ میں ٹھکانا لکھا ہوا ہے (یعنی جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائے گا) تو لوگوں نے کہا! یا رسول اللہ! ہم اسی پر توکل کر کے بیٹھ نہ جائیں؟ تو آپ نے فرمایا: اعمال کرو، جو میسر ہیں (یعنی جنتی کے لئے جنت کے اعمال میسر کئے گئے ہیں لہٰذا اُسے چاہئے کہ وہ جنتیوں کے اعمال کرے) پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰىO وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴾ سے لے کر ﴿لِلْعُسْرٰى﴾ [سورۃ الّیل: ۵، ۱۰] تک۔

[صحیح بخاری: ۴۹۴۵ وصحیح مسلم: ۲۶۴۷ عن علی رضی اللہ عنہ]

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ بندوں کے نیک اعمال تقدیر میں ہیں اور انھی سے خوش قسمتی حاصل ہوگی اور یہ بھی تقدیر میں ہے اور بندوں کے بُرے اعمال تقدیر میں ہیں اور ان سے بدبختی حاصل ہوگی اور یہ بھی تقدیر میں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی نے اسباب بنائے۔ کوئی چیز بھی اللہ کی تقدیر، فیصلے، تخلیق اور ایجاد سے باہر نہیں ہے۔ [ص ۶۰]

(سیدنا) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے (بیٹھا ہوا) تھا تو آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تجھے کچھ باتیں سکھاتا ہوں، اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے یاد رکھے گا، اللہ کو یاد رکھ تُو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب (مافوق الاسباب) سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ، اور جان لے کہ اگر سب لوگ تجھے فائدہ پہنچانا چاہیں تو تجھے صرف وہی فائدہ پہنچے گا جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے اور اگر سارے لوگ تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو تجھے صرف وہی

نقصان پہنچ سکتا ہے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے۔قلم اُٹھائے گئے اور (تقدیر کے) صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ [سنن الترمذی:۲۵۱۶وقال:''ھذا حدیث حسن صحیح'']

تقدیر پر ایمان کے چار درجے ہیں،جن پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے:

پہلا درجہ: جو کچھ ہونے والا ہے اُس کے بارے میں اللہ کا علم ازلی وابدی ہے۔ہر چیز جو ہونے والی ہے،ازل سے اللہ کے علم میں ہے،اللہ کو کسی چیز کے بارے میں قطعاً جدید علم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ پہلے سے ہی اُسے ہر چیز کا پُورا علم ہے۔

دوسرا درجہ: ہر چیز جو واقع ہونے والی ہے اس کے بارے میں زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے،سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں،زمین وآسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی ہیں۔اوراس کا عرش پانی پر تھا۔ [صحیح مسلم:۲۶۵۳من حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ]

تیسرا درجہ: اللہ کی مشیئت اوراس کا ارادہ،جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کی مشیئت سے ہو رہا ہے۔اللہ کے ملک میں صرف وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔جو اللہ نے چاہا تو ہوا اور جو نہیں چاہا تو نہیں ہوا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ اللہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تواس کا حکم صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ فرماتا ہے: کُنْ (ہو جا) تو ہو جاتا ہے[یٰسٓ:۸۲]اور فرمایا﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾اور تم جو چاہتے ہو وہ نہیں ہو سکتا الا یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔ [التکویر:۲۹]

[ص۶۱]

چوتھا درجہ: جو کچھ ہونے والا ہے اُس کا وجود اور تخلیق اللہ کی مشیئت پر ہے،اس کے ازلی علم کے مطابق اور جو اُس نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے کیونکہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ اشیا اوران کے افعال اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے[الزمر:۶۲]اور فرمایا﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم جو اعمال کرتے ہو انھیں (بھی) پیدا کیا ہے۔[الصّٰفّٰت:۹۶]]

تقدیر پر ایمان، اُس غیب پر ایمان ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تقدیر میں جو کچھ ہے اس کا واقع ہونا لوگوں کو دو طرح سے معلوم ہوسکتا ہے:

1- کسی چیز کا واقع ہو جانا، جب کوئی چیز واقع ہو جاتی ہے تو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تقدیر میں یہی تھا، اگر یہ تقدیر میں نہ ہوتا تو واقع ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہ جو نہیں چاہتا تو نہیں ہوتا۔

2- مستقبل میں ہونے والے واقعات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں مثلاً دجال [1]، یاجوج و ماجوج اور نزول [2] عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) وغیرہ اُمور کے بارے میں آپ کی پیش گوئیاں، جو کہ آخری زمانے میں وقوع پذیر ہوں گی۔ یہ پیش گوئیاں اس کی دلیل ہیں کہ ان اُمور کا واقع ہونا ضروری ہے۔ یہی اللہ کی تقدیر اور فیصلے میں لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی وہ پیش گوئیاں جو آپ نے اپنے زمانے کے قریب واقع ہونے والے اُمور کے بارے میں فرمائی ہیں۔ انھی میں سے وہ حدیث ہے جسے (سیدنا) ابوبکرہ (نفیع بن الحارث) رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سُنا، حسن (بن علی رضی اللہ عنہما) آپ کے پاس تھے۔ آپ ایک دفعہ ان کی طرف اور ایک دفعہ لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے اور فرما رہے تھے ''میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور ہوسکتا ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے'' [صحیح بخاری:۳۷۴۶]

رسول ﷺ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ (آپ کی وفات کے بہت بعد)

---

[1] دجال ایک کانے شخص کا لقب ہے جس کا ظہور قیامت سے پہلے ہوگا اور سیدنا عیسیٰ بن مریم الناصری علیہما السلام اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔ دیکھئے صحیح مسلم (ح ۲۸۹۷ وترقیم دارالسلام: ۷۲۷۸)

[2] سیدنا حسن بصری (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''قبل موت عیسٰی ، واللہ إنه الآن لحيّ عندالله ولكن إذا نزل آمنوا به أجمعون'' عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے پہلے (سب اہلِ کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے) اللہ کی قسم اب آپ (عیسیٰ علیہ السلام) اللہ کے پاس زندہ ہیں جب وہ نازل ہوں گے تو سب لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے (تفسیر طبری ۱۴/۶ وسندہ صحیح) اسی پر خیر القرون کا اجماع ہے۔ یاد رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے کشف الاستار عن زوائد البزار (۱۴۲/۴ ح ۳۳۹۶ وسندہ صحیح)

اکتالیس ہجری (۴۱ھ) میں واقع ہوئی جب مسلمانوں میں اتفاق ہوگیا۔ اسے ''عام الجماعۃ'' (اتفاق کا سال) بھی کہتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حدیث سے یہ سمجھا تھا کہ (سیدنا ومحبوبنا) حسن (بن علی) رضی اللہ عنہ بچپن میں نہیں مریں گے اور وہ اُس وقت تک زندہ رہیں گے جب تک صلح کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ پیش گوئی واقع نہ ہوجائے۔ یہ چیز تقدیر میں تھی جس کے وقوع سے پہلے صحابۂ کرام کو اس کا علم تھا۔

ہر چیز کا خالق اور اس کی تقدیر بنانے والا اللہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ [الزمر:٦٢] [ص ٦٢]

اور فرمایا ﴿وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا﴾ اور اس اللہ نے ہر چیز پیدا کی، پس اس نے ہر چیز کی تقدیر مقرر کی یعنی مقداریں بنائیں۔ [الفرقان:٢]

پس خیر وشر کی ہر چیز جو ہونے والی ہے اللہ کے فیصلے، تقدیر، مشیئت اور ارادے سے ہوتی ہے۔ (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبی دعا میں یہ الفاظ بھی فرمائے: ((والخیر کلہ في یدیک والشر لیس إلیک)) ساری خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف (لے جانے والا) نہیں ہے (صحیح مسلم: ۷۷۱) اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کے فیصلے اور تخلیق کے مطابق شر واقع نہیں ہوتا۔ اس کا معنی صرف یہ ہے کہ اللہ نے بغیر کسی حکمت اور فائدے کے محض شر پیدا نہیں کیا اور دوسرے یہ کہ مطلق شر کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ (دلائل عامہ کے تحت) عموم میں داخل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ [الزمر:٦٢] اور فرمایا ﴿اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو قدر (تقدیر واندازے) سے پیدا کیا۔ [القمر:٤٩]

صرف اکیلے شر کے ساتھ اللہ کی طرف نسبت سے ادب سیکھنا چاہئے۔ اسی لئے جنوں نے اللہ کی طرف خیر کی نسبت کر کے ادب کا اظہار کیا تھا۔ انھوں نے شر کو مجہول کے صیغے سے بیان کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے (جنوں کا قول نقل) فرمایا﴿وَاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِھِمْ رَبُّھُمْ رَشَدًا﴾ اور ہمیں پتہ نہیں کہ کیا زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کا رب اُن کی ہدایت چاہتا ہے۔[الجن:۱۰]

تقدیر کے سابقہ چاروں درجوں میں اللہ کی مشیئت اور ارادہ بھی ہے۔ مشیئت اور ارادے میں فرق یہ ہے کہ کتاب وسنت میں مشیئت کا ذکر تکوینی وتقدیری طور پر ہی آیا ہے۔ اور ارادے کا معنی کبھی تکوینی معنی اور کبھی شرعی معنی پر آتا ہے۔ تکوینی وتقدیری معنی کے لئے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَکُمْ اِنْ کَانَ اللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ ط﴾ اور تمھیں میری نصیحت فائدہ نہیں دے سکتی اگرچہ میں تمھیں نصیحت کروں اگر تمھیں اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہتا ہو۔[ھود:۳۴]

اور فرمایا﴿فَمَنْ یُّرِدِاللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ ج وَمَنْ یُّرِدْاَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا﴾ پس اللہ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ کرے تو اس کے دل کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے دل کو تنگ (حق کو نہ ماننے والا) کر دیتا ہے۔[الانعام:۱۲۵]

شرعی ارادے کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُبِکُمُ الْعُسْرَ﴾ اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور وہ تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں کرتا۔[البقرۃ:۱۸۵]

اور فرمایا﴿مَایُرِیْدُاللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴾ اللہ اس کا ارادہ نہیں کرتا کہ تمھیں حرج میں ڈال دے لیکن وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمھیں پاک کر دے اور اپنی نعمت تم پر پُوری کر دے تاکہ تم شکر کرو۔ [المآئدۃ:٦]

ان دونوں ارادوں میں یہ فرق ہے کہ تکوینی ارادہ عام ہے چاہے اللہ تعالیٰ خوش ہو یا ناراض ہو۔ شرعی ارادہ صرف اسی کے بارے میں ہوتا ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور راضی ہے۔

[ص ۶۳]

تکوینی ارادہ واقع ہو کر ہی رہتا ہے اور دینی ارادہ اس آدمی کے حق میں واقع ہوتا ہے جسے اللہ توفیق دے۔ اور جسے وہ توفیق نہ دے تو وہ شخص اس سے محروم رہتا ہے۔ کچھ اور بھی کلمات ہیں جو تکوینی و شرعی معنوں میں آتے ہیں، انھی میں سے فیصلہ، تحریم، اذن، کلمات اورامر وغیرہ ہے۔

ابن القیم نے اپنی کتاب ''شفاء العلیل'' کے انتیسویں (۲۹) باب میں ان کو ذکر کیا ہے اور قرآن وسنت سے ان کے دلائل لکھے ہیں۔

ہر چیز جسے اللہ نے لوحِ محفوظ میں لکھا ہے، اس کی تقدیر مقرر کی ہے اور اس کے وقوع کا فیصلہ کیا ہے تو اُس چیز نے ضرور بالضرور ہو کر رہنا ہے۔ نہ اس میں تغیر ہوتا ہے اور نہ تبدیلی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ زمین اور تمھاری جانوں میں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ واقع ہونے سے پہلے ہم نے کتاب میں درج کی ہے۔[الحدید:۲۲]

اور اس میں سے حدیث ہے ''قلم اُٹھالئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔'' [دیکھئے ص ۶۱/الاصل]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اُسی کے پاس اُم الکتاب ہے۔ [الرعد:۳۹]

اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت کریمہ شریعتوں سے متعلق ہے۔ اللہ شریعتوں میں سے جسے چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے حتیٰ کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے ساتھ رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا، آپ کی شریعت نے سابقہ ساری شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اس کی دلیل اس آیت میں ہے جو اس سے پہلے ہے ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی رسول بھی کوئی نشانی نہیں لاسکتا، ہر وقت کے لئے ایک کتاب ہے یعنی ہر چیز کا وقت مقرر

ہے۔[الرعد:۳۸]

اوراس کی یہ تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ اس سے وہ مقداریں مراد ہیں جولوح محفوظ میں نہیں ہیں۔جیسا کہ بعض کام فرشتوں کے ذریعے سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ابن القیم کی کتاب شفاء العلیل کے ابواب (۲،۴،۵،۶) دیکھیں۔ ہر باب کے تحت انھوں نے لوح محفوظ کے علاوہ ایک ایک خاص تقدیر بیان کی ہے۔آپ ﷺ کی حدیث ہے کہ ''قضاء (تقدیر) کوصرف دعا ہی ٹال سکتی ہےاورعمر میں صرف نیکی ہی کے ذریعے اضافہ ہوتا ہے۔'' [سنن الترمذی:۲۱۳۹،اسے امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے نیز دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی:۱۵۴]

یہ حدیث لوح محفوظ میں تغیر (وتبدیلی) کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تو صرف اس کی دلیل ہے کہ اللہ نے شر سے سلامتی مقدر میں رکھی ہے اوراس سلامتی کے لئے اسباب مقرر کئے ہیں۔معنی یہ ہے کہ اللہ نے بندے سے شر دور کر دیا۔ یہ دُوری اس فعل یعنی دعا کے سبب اس کے مقدر میں لکھی گئی تھی اور یہی مقدر تھا۔اوراسی طرح یہ مقدر میں لکھا گیا کہ انسان کی عمر لمبی ہے اور یہ بھی مقدر کر دیا گیا کہ درازئ عمر (فلاں) سبب سے ہوگی اور یہ نیکی وصلہ رحمی ہے۔پس اسباب اوروجۂ اسباب سب اللہ کی قضاوقدر سے ہیں۔ [ص۶۴]

آپ ﷺ کی حدیث ''اللہ جسے پسند کرتا ہے تو اس کا رزق کشادہ کر دیتا ہے۔یا اس کی عمر دراز کر دیتا ہے، پس صلہ رحمی کرو'' (صحیح البخاری:۲۰۶۷وصحیح مسلم:۲۵۵۷) کا بھی یہی مطلب ہے۔ ہر انسان کا وقت لوح محفوظ میں مقرر ہے۔نہ آگے ہوسکتا ہے اور نہ پیچھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ﴾ اور جب کسی نفس کا وقت آجائے تو اللہ اسے مؤخر نہیں کرتا۔ [المنفقون:۱۱]

اورفرمایا ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ ہر اُمت کے لئے ایک وقت ہے۔جب ان کا وقت آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہوتا ہے اور نہ آگے ہوتا ہے۔ [یونس:۴۹]

اور جو آدمی مرتا یا قتل ہوتا ہے تو وہ اپنی اَجل کی وجہ سے مرتا یا قتل ہوتا ہے۔معتزلہ کی

طرح یہ نہیں کہنا چاہئے کہ مقتول کی اجل کاٹ دی گئی اور اگر وہ قتل نہ ہوتا تو دوسری اجل تک زندہ رہتا۔ کیونکہ ہر انسان (کے مرنے) کا ایک ہی وقت مقرر ہے۔ اس وقت کے لئے اسباب مقرر ہیں، یہ بیماری سے مرے گا اور یہ ڈوبنے سے مرے گا اور یہ قتل ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔

تقدیر کے بہانے نیکی کے نہ کرنے اور گناہوں کے کرنے پر استدلال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جس نے گناہ کیا تو شریعت میں اس کی ایک مقرر سزا ہے۔ اگر اس نے اپنے گناہ کا یہ عذر پیش کیا کہ یہ اس کی قسمت میں تھا تو اسے شرعی سزا دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اس گناہ کی یہ سزا تیری قسمت میں تھی۔

حدیث میں جو آیا ہے کہ آدم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان تقدیر پر بحث ومباحثہ ہوا تھا۔ یہ گناہ کرنے پر تقدیر سے استدلال والا معاملہ نہیں ہے۔ یہ تو اس مصیبت کا ذکر ہے جو معصیت کے سبب واقع ہوئی۔

(سیدنا) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدم اور موسیٰ نے بحث ومباحثہ کیا تو موسیٰ نے آدم سے کہا: تُو وہ آدم ہے جسے اس کی خطا (لغزش) نے جنت سے نکال دیا تھا۔ تو آدم نے جواب دیا: تُو وہ موسیٰ ہے جسے اللہ نے رسالت اور کلام کرنے سے نوازا۔ پھر تو مجھے اس چیز پر ملامت کرتا ہے جو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دی تھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ فرمایا: پس آدم موسیٰ (علیہما السلام) پر غالب آ گئے۔ [صحیح بخاری: ۳۴۰۹ و صحیح مسلم: ۲۶۵۲] [ص ۶۵]

ابن القیم نے اپنی کتاب ''شفاء العلیل'' میں اس حدیث پر بحث کے لئے تیسرا باب قائم کیا ہے۔ انھوں نے اس حدیث کی تشریح میں باطل اقوال کا (بطورِ رد) ذکر کیا اور وہ آیات ذکر کیں جن میں آیا ہے کہ مشرکین اپنے شرک پر تقدیر سے استدلال کرتے تھے۔ اللہ نے ان مشرکین کو جھوٹا قرار دیا کیونکہ وہ اپنے شرک و کفر پر قائم (اور ڈٹے ہوئے) تھے۔ انھوں نے جو بات کہی وہ حق ہے لیکن اس کے ساتھ باطل پر استدلال کیا گیا

ہے۔ پھر انھوں نے اس حدیث کے معنی پر دو توجیہات ذکر کیں، پہلی توجیہ اُن کے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ہے اور دوسری اُن کے اپنے فہم واستنباط سے ہے۔

ابن القیم فرماتے ہیں کہ ''جب آپ نے اسے پہچان لیا تو موسیٰ (علیہ السلام) اللہ اور اس کے اسماء وصفات کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر تھے، لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اُس خطا پر ملامت کریں جس سے خطا کرنے والے نے توبہ کر رکھی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے اسے (اپنے لئے) چُن لیا، راہنمائی کی اور خاص منتخب کر لیا۔ آدم (علیہ السلام) اپنے رب کے بارے میں سب سے زیادہ پہچان رکھتے تھے کہ وہ معصیت پر قضا وقدر سے استدلال کریں۔ بات یہ ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے آدم (علیہ السلام) کو اُس مصیبت پر ملامت کی تھی جس کے سبب سے اولادِ آدم کا جنت سے خروج اور دنیا میں نزول ہوا، جو آزمائش اور امتحان کا گھر ہے۔ اس کی وجہ اولادِ آدم کے باپ (سیدنا آدم علیہ السلام) کی لغزش ہے۔ پس انھوں نے لغزش کا ذکر بطورِ تنبیہ کیا، اس مصیبت اور آزمائش پر جو آدم علیہ السلام کی ذریت واولاد کو حاصل ہوئی۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے فرمایا: ''آپ نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکال دیا''، بعض روایات میں '' خَيَّبْتَنَا '' (آپ نے ہمیں محروم کر دیا) کا لفظ آیا ہے۔ پس آدم (علیہ السلام) نے مصیبت پر تقدیر سے استدلال کیا اور فرمایا: بے شک یہ مصیبت جو میری لغزش کی وجہ سے میری اولاد کو پہنچی میری تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔ تقدیر سے مصیبتوں میں استدلال کیا جاسکتا ہے لیکن عیوب (اور گناہوں کے جواز) میں اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی آپ مجھے اس مصیبت پر کیوں ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے اتنے سال پہلے، میرے اور آپ کے مقدر میں لکھ دی گئی تھی، یہ جواب ہمارے شیخ (ابن تیمیہ) رحمہ اللہ کا ہے۔ اس کا دوسرا جواب بھی ہوسکتا ہے کہ گناہ پر تقدیر سے استدلال بعض جگہ فائدہ دے سکتا ہے اور بعض جگہ نقصان دہ ہے۔ اگر گناہ کے واقع ہونے کے بعد آدمی توبہ کرے اور دوبارہ یہ گناہ نہ کرے تو تقدیر سے استدلال کرسکتا ہے۔ جیسا کہ آدم (علیہ السلام) نے (اپنی لغزش کے بعد) کیا۔ اس طریقے سے تقدیر کے ذکر میں توحید اور رب تعالیٰ کے

اسماء وصفات کی معرفت ہے۔اس کے ذکر سے بیان کرنے والے اور سننے والے کو نفع ہوتا ہے کیونکہ تقدیر (کے ذکر) سے کسی امر ونہی کی مخالفت نہیں ہوتی اور نہ شریعت کا ابطال ہوتا ہے۔ بلکہ محض حق کو توحید اور تبدیلی وقوت سے برأت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔اس کی توضیح اس سے (بھی) ہوتی ہے کہ آدم (علیہ السلام) نے موسیٰ (علیہ السلام) سے فرمایا: [ص٦٦]

''کیا آپ میرے اس عمل پر ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے پہلے میرے مقدر میں لکھا ہوا تھا؟'' جب آدمی گناہ کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو وہ معاملہ اس طرح زائل اور ختم ہو جاتا ہے گویا کہ یہ کام ہوا ہی نہیں تھا۔ پس اب اگر کسی ملامت کرنے والے نے اسے اس گناہ پر ملامت کیا تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ تقدیر سے استدلال کرے۔ اور کہے: ''یہ کام میری پیدائش سے پہلے میرے مقدر میں تھا'' اس آدمی نے تقدیر کے ذریعے حق کا انکار نہیں کیا اور نہ باطل پر دلیل قائم کی ہے اور نہ ممنوع بات کے جواز پر حجت بازی کی ہے۔

رہا وہ مقام جس پر تقدیر سے استدلال نقصان دہ ہے وہ حال اور مستقبل سے تعلق رکھتا ہے۔یعنی کوئی آدمی فعلِ حرام کا ارتکاب کرے یا کسی واجب (فرض) کو ترک کر دے، پھر کوئی آدمی اسے اس پر ملامت کرے تو پھر وہ گناہ پر قائم رہنے اور اصرار کرنے میں تقدیر سے استدلال کرے۔ یہ شخص اپنے استدلال سے حق کو باطل کرنا اور باطل کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے جیسا کہ شرک اور غیر اللہ کی عبادت پر اصرار کرنے والے کہتے تھے ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا﴾ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے [الانعام:١٤٨] ﴿لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ﴾ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان (معبودانِ باطلہ) کی عبادت نہ کرتے۔[الزخرف:٢٠]

انھوں نے اپنے باطل عقائد کو صحیح سمجھتے ہوئے تقدیر سے استدلال کیا۔انھوں نے اپنے (شرکیہ وکفریہ) فعل پر کسی ندامت کا اظہار نہیں کیا نہ اس کے ترک کا ارادہ کیا اور نہ اس کے فاسد ہونے کا اقرار کیا۔

یہ اس آدمی کے استدلال سے سراسر مخالف ہے جس پر اُس کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، وہ نادم (پشیمان) ہو جاتا ہے اور پکا ارادہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ غلطی نہیں کرے گا۔ پھر اس (توبہ) کے بعد اگر کوئی اسے ملامت کرے تو کہتا ہے: ''جو کچھ ہوا ہے وہ اللہ کی تقدیر کی وجہ سے ہوا ہے۔'' اس مسئلے کا (بنیادی) نکتہ یہ ہے کہ اگر وجۂ ملامت دُور ہو جائے تو تقدیر سے استدلال صحیح ہے اور اگر وجۂ ملامت باقی رہے تو تقدیر سے استدلال باطل ہے...''

[شفاء العلیل ص ۳۵، ۳۶]

تقدیر کے بارے میں قدریہ اور جبریہ دونوں فرقے گمراہ ہوئے ہیں۔ قدریہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں، اللہ نے یہ افعال ان کی تقدیر میں نہیں لکھے ہیں۔ ان کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی حکومت میں بندوں کے جو افعال واقع ہوتے ہیں وہ اس کے مقدر (مقرر شدہ) نہیں ہیں۔ یہ بندے اپنے افعال پیدا کرنے میں اللہ سے بے نیاز ہیں اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا خالق نہیں ہے بلکہ بندے اپنے افعال کے خالق ہیں۔ یہ عقیدہ بہت ہی باطل عقیدہ ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کا خالق ہے اور بندوں کے افعال کا (بھی) خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ ذاتوں اور صفتوں سب کا خالق ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ کہہ دو کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ اکیلا قہار (سب پر غالب) ہے۔ [الرعد:۱۶] [ص ۶۷]

اور فرمایا ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر وکیل (محافظ ونگران) ہے۔ [الزمر:۶۲]

اور فرمایا ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم جو اعمال کرتے ہو انھیں (بھی) پیدا کیا ہے۔ [الصّٰفّٰت:۹۶]

جبریہ (فرقے) نے بندوں سے اختیار چھین لیا ہے، وہ اس کے لئے کسی مشیئت اور ارادے کے قائل نہیں ہیں۔ انھوں نے اختیاری حرکات اور اضطراری حرکات کو برابر کر دیا ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی ساری حرکات اس طرح ہیں جس طرح کہ درختوں

کی حرکات ہیں۔ کھانے والے، پینے والے، نمازی اور روزہ دار کی حرکات اس طرح ہیں جیسے رعشہ والے کی حرکات ہوتی ہیں، ان میں انسان کے کسب اور ارادے کا کوئی کام نہیں ہوتا۔

اس طرح تو پھر رسولوں کے بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ بندے کے پاس مشیئت اور ارادے کی طاقت ہے۔ اچھے اعمال پر اس کی تعریف ہوتی ہے اور بُرے اعمال پر اس کی مذمت ہوتی ہے اور اُسے سزا ملتی ہے۔ بندے کے اختیاری افعال اسی کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں (یعنی نیکی و بدی کا مرتکب وہی ہوتا ہے) رہی اضطراری حرکات جیسے رعشہ والے کی حرکت تو یہاں یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ اس کا فعل ہے۔ یہ تو اس کی ایک صفت ہوتی ہے۔

اسی لئے تو فاعل کی تعریف میں نحوی حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ اسم مرفوع ہے جو اُس پر دلالت کرتا ہے جس سے کوئی حَدَث (فعل) صادر ہوتا ہے یا جس کا وہ قام بہ ہوتا ہے یعنی اس کا صدور اس سے ہوتا ہے۔ حَدَث سے اُن کی مراد وہ اختیای افعال ہیں جو بندے کی مشیئت اور ارادے سے واقع ہوتے ہیں۔ قیامِ حدث سے ان کی مراد وہ اُمور ہیں جو مشیئت کے تحت نہیں آتے جیسے موت، مرض اور ارتعاش (رعشہ) وغیرہ۔ پس اگر کہا جائے کہ زید نے کھایا، پیا، نماز پڑھی اور روزہ رکھا تو اس میں زید فاعل ہے جس سے حَدَث (فعل) حاصل ہوا ہے۔ یہ حَدَث کھانا، پینا، نماز اور روزے ہیں۔ اور اگر کہا جائے کہ زید بیمار ہوا، زید مر گیا یا اس کے ہاتھوں میں رعشہ ہوا تو یہ حَدَث زید کے (ارادی) فعل سے نہیں ہے بلکہ یہ اس کی صفت ہے جس کا صدور اُس سے ہوا ہے۔

اہل السنّت والجماعت اثبات تقدیر میں غالی جبریوں اور انکار کرنے والے قدریوں کے درمیان ہیں۔ انھوں نے بندے کیلئے مشیئت کا اثبات کیا ہے اور رب کیلئے مشیئت عام کا اثبات کرتے ہیں۔ انھوں نے بندے کی مشیئت کو اللہ کی مشیئت کے تابع قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَاتَشَآءُ وْ نَ

﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اس کے لئے جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔[التکویر:۲۸،۲۹]

اللہ کی حکومت میں جو وہ نہ چاہے ہو ہی نہیں سکتا۔ [ص۶۸]

اس کے برخلاف قدریہ یہ کہتے ہیں کہ ''بندے اپنے افعال پیدا کرتے ہیں'' بندوں کو ان چیزوں پر عذاب نہیں ہوسکتا جن میں اُن کا کوئی ارادہ ہے اور نہ مشیئت جیسا کہ جبریہ کا قول ہے۔ اسی میں اُس سوال کا جواب ہے جو کہ بار بار کیا جاتا ہے کہ کیا بندہ مجبورِ محض ہے یا وہ (کُلی) بااختیار ہے؟ تو (عرض ہے کہ) نہ وہ مطلقاً مجبورِ محض ہے اور نہ مطلقاً بااختیار ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک اعتبار سے بااختیار ہے کہ اسے مشیئت اور ارادہ حاصل ہے۔ اور اس کے اعمال اُسی کا کسب (کمائی) ہیں۔ نیک اعمال پر اسے ثواب ملے گا اور بُرے اعمال پر اسے سزا ملے گی۔ وہ ایک اعتبار سے مُسَيَّر (مجبور) ہے۔ اس سے ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہوتی جو اللہ کی مشیئت، ارادے، تخلیق اور ایجاد سے خارج ہو۔

جو بھی ہدایت اور گمراہی (بندے کو) حاصل ہوتی ہے تو وہ اللہ کی مشیئت اور ارادے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ نے بندوں کے لئے خوش بختی کا راستہ اور گمراہی کا راستہ، دونوں واضح کر دیئے ہیں۔ اللہ نے بندوں کو عقل دی ہے جس سے وہ نفع اور نقصان کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ جو شخص خوش بختی کا راستہ اختیار کر کے اس پر چلا تو اسے یہ خوش بختی (جنت) کی لے جائے گا۔ یہ کام بندے کی مشیئت اور ارادے سے واقع ہوا ہے جو کہ اللہ کی مشیئت اور ارادے کے تابع ہے۔ اور یہ اللہ کا فضل واحسان ہے۔ جس شخص نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور اس پر چلا تو یہ اسے بدبختی (یعنی جہنم) کی طرف لے جائے گا۔ یہ کام بندے کی مشیئت اور ارادے سے ہوا ہے جو کہ اللہ کی مشیئت اور ارادے کے تابع ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عدل وانصاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ کیا ہم نے اسے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور اسے دو راستوں (یعنی شر اور خیر) کی طرف

راہنمائی نہیں کی؟[البلد:۸۔۱۰]

اورفرمایا﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ ہم نے اسے راستہ دکھایا تاکہ وہ شکر کرنے والا بنے یا کافر بنے۔[الدھر:۳]

اورفرمایا﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ جسے اللہ نے ہدایت دی وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے اُس نے گمراہ کیا تو آپ اس کا ولی (مددگار) مرشد و ہدایت دینے والا نہیں پائیں گے۔[الکھف:۱۷]

ہدایتیں دو طرح کی ہیں (۱) ہدایتِ دلالت وارشاد، یہ ہر انسان کو حاصل ہے یعنی ہر انسان سے یہی مطلوب ہے کہ وہ ہدایت اسلام پر چلے (۲) ہدایتِ توفیق، یہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جسے اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے۔

پہلی ہدایت کی دلیلوں میں سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور بے شک آپ صراط مستقیم (سیدھے راستے) کی طرف راہنمائی کرتے ہیں[الشوریٰ:۵۲] یعنی آپ ہر ایک کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ دوسری ہدایت کی دلیلوں میں سے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ آپ جسے (ہدایت دینا) چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

[القصص:۵۶] [ص۶۹]

اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں ہدایتیں اس ارشاد میں اکٹھی کر دی ہیں﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بُلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔[یونس:۲۵]

''اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے'' یعنی ہر ایک کو (بلاتا ہے)۔ مفعول کو عموم کے لئے حذف کیا گیا ہے اور یہ ہدایت دلالت وارشاد ہے۔ ''اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے'' اس میں خصوصیت قائم کرنے کے لئے مفعول کو ظاہر کر دیا گیا

ہےاور یہ ہدایت توفیق ہے۔

ایمان دلی اعتقاد، زبانی اقراراور جسمانی عمل کا نام ہے

ہفتم: اہل السنّت والجماعت کے نزدیک ایمان دلی اعتقاد، زبانی اقراراور جسمانی عمل کا نام ہے۔ یہ تینوں اُموراُن کے نزدیک ایمان کے مفہوم میں داخل ہیں۔

ارشادباری تعالیٰ ہے ﴿اِنَّمَاالْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَاذُکِرَاللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۚۖ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ؕ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَرَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ﴾ مومن صرف وہ ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں انھیں سُنائی جائیں تو اُن کے ایمان زیادہ ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انھیں جو رزق دیا اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں، اُن کے رب کے پاس اُن کے لئے درجے، مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔[الانفال:۲۔۴]

ان آیات میں دل کے اعمال اور جوارح (اعضا) کے اعمال ایمان میں داخل ہیں۔

(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی ستر یا ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں جن میں افضل ترین لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور کم ترین درجہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے اور حیا ایمان کا شعبہ (حصہ) ہے۔[صحیح مسلم:۵۸]

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ دل، زبان اور جسمانی اعضا سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں وہ ایمان میں سے ہیں۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں اعمالِ صالحہ کو جو ایمان پر عطف کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۙ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو جنتِ فردوس اُن کی میزبانی ہوگی۔[الکہف:۱۰۷]

اورفرمایا﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ھُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴾ بے شک جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہی لوگ بہترین گروہ ہے۔[البینۃ:۷]

[ص۷۰]

اورفرمایا﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَھُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو عنقریب رحمٰن (اللہ) ان کے لئے (مسلمانوں کے دلوں میں) محبت پیدا کر دے گا۔[مریم:۹۶]

ان آیات میں واوٴ عاطفہ اس کی دلیل نہیں ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں بلکہ یہاں پر خاص کو عام پر عطف کیا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ لوگوں میں ایمان (کے درجوں) کا فرق عام طور پر اعمال میں فرق ہوتا ہے۔ اور اقوال میں بھی ہوتا ہے کیونکہ قول زبان کا عمل ہے بلکہ لوگ دلوں کے یقین میں بھی مختلف ہیں۔ حافظ ابن حجر نے نووی سے نقل کیا ہے:

''زیادہ ظاہر اور مختار یہی ہے کہ کثرتِ نظر اور دلائل کے واضح ہونے کی وجہ سے تصدیق میں کمی وبیشی ہوتی ہے۔ اسی لئے (سیدنا ابوبکر) الصدیق (رضی اللہ عنہ) کا ایمان دوسروں کے ایمان سے زیادہ قوی تھا، کوئی شبہ اُن کے نزدیک نہیں آتا تھا۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ہر ایک یہ جانتا ہے کہ اُس کے دل میں جو (یقین) ہے وہ مختلف ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات اس کا ایمان، یقین واخلاص وتوکل کے لحاظ سے اعلیٰ درجے پر ہوتا ہے اور اسی طرح دلائل کی کثرت اور غلبے کی وجہ سے تصدیق ومعرفت انتہائی بلند ہوتی ہے''

[فتح الباری ۱/۴۶]

جن لوگوں نے ایمان کے مفہوم سے اعمال کو خارج کر دیا ہے۔ اُن کے دو (۲) گروہ ہیں:

(۱) غالی مرجئہ جو یہ کہتے ہیں کہ ''ہر مومن کامل الایمان ہے اور یہ کہ ایمان کے ساتھ گناہ مُضر نہیں ہے جیسا کہ کفر کے ساتھ اطاعت مفید نہیں ہے۔'' یہ قول انتہائی باطل بلکہ کفر ہے۔

(۲) اہلِ کوفہ وغیرہ کے مرجئۃ الفقہاء جو اعمال کو ایمان میں شامل نہیں سمجھتے۔ اس کے ساتھ وہ غالی مرجئوں کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''گناہ گاروں کو گناہ سے نقصان ہوتا ہے۔ ان سے ان گناہوں کا مؤاخذہ ہوتا ہے اور سزا ملتی ہے'' ان (مرجئۃ الفقھاء) کا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مرجئہ وغیرہ کے مذموم اہلِ کلام کی بدعت اور فسق و نافرمانی کا ذریعہ ہے جیسا کہ شارح الطحاویہ (ابن ابی العز الحنفی) نے کہا ہے۔ [شرح عقیدہ طحاویہ ص ۴۷۰]

ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے

ایمان اطاعت سے زیادہ ہوتا ہے اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے۔ ایمان کی زیادتی کے دلائل میں سے یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ مومن صرف وہ ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں انھیں سنائی جائیں تو ان کے ایمان زیادہ ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ [الانفال:۲]

اور فرمایا ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ پس مگر جو لوگ ایمان لائے تو ان کے ایمان زیادہ ہو جاتے ہیں اور وہ خوش ہوتے ہیں۔ [التوبۃ:۱۲۴]

اور فرمایا ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ﴾

اُسی نے مومنوں کے دلوں میں سکون اُتارا تاکہ ان کے ایمان پر ایمان زیادہ ہو جائے۔ [الفتح:۴]

[ص ۷۱]

اور فرمایا ﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا﴾ وہ (اہلِ ایمان) لوگ جنھیں جب (منافق) لوگوں نے کہا کہ بے شک (کافر) لوگ تمھارے خلاف اکٹھے ہو گئے ہیں پس ان سے ڈرو، تو ان کا ایمان

زیادہ ہوگیا۔[آل عمران:۱۷۳]

اورفرمایا﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾ اور جب مومنوں نے (کافروں کے) گروہوں کو دیکھا (تو) کہا: یہ ہے وہ جس کا ہم سے اللہ اور اُس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا، اس سے ان کا ایمان وتسلیم ہی زیادہ ہوگیا۔[الاحزاب:۲۲]

ایمان کی کمی کے دلائل میں سے نبی ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ ((من رأى منكم منكراً فليغيّره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه و ذلك أضعف الايمان)) تم میں سے اگر کوئی منکر (بُرائی) دیکھے تو اسے ہاتھ سے بدل (یعنی روک) دے۔ اور اگر اسے اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔[صحیح مسلم:۷۸]

حدیثِ شفاعت میں یہ آیا ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا اسے جہنم سے نکالا جائے گا۔ اسے بخاری (۷۴۳۹) اور مسلم (۳۰۲) نے (سیدنا) ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی (بیان کردہ) حدیث سے روایت کیا ہے۔

جس حدیث میں نبی ﷺ نے عورتوں کی صفت بیان کی ہے کہ ان کی عقل اور دین میں کمی ہوتی ہے [دیکھئے صحیح البخاری:۳۰۴ و صحیح مسلم:۱۳۲] اس سے بھی ایمان کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ حافظ (ابن حجر العسقلانی) فرماتے ہیں:

''لالکائی نے (شرح اعتقاد اهل السنة والجماعة میں) صحیح [1] سند کے ساتھ (امام) بخاری سے روایت کیا ہے کہ میں نے مختلف علاقوں میں ایک ہزار سے زیادہ علماء سے ملاقات کی ہے۔ پس میں نے اُن میں سے کسی ایک کو بھی اس میں اختلاف کرتے ہوئے

---

[1] شرح اعتقاد اهل السنة للالکائی (ح ۱۵۹۷) اس کی سند ضعیف ہے۔ خلف بن محمد (الخیام) ضعیف جداً، ہے دیکھئے لسان المیزان (۴۰۵/۲) اور دوسرے کئی راوی نامعلوم ہیں۔ امام سفیان ثوری، امام ابن جریج اور امام معمر وغیرہم فرماتے تھے کہ ''الإيمان قول وعمل ، يزيد و ينقص'' دیکھئے الشریعۃ للآجری (ص ۱۱۷ ح ۲۴۲ وسندہ صحیح) الشریعۃ میں دیگر بہت سے صحیح آثار ہیں۔ والحمدللہ

نہیں دیکھا کہ ایمان قول وعمل ہے اور زیادہ وکم ہوتا ہے (یعنی سب اس کے قائل تھے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اور زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے) ابن ابی حاتم اور لالکائی نے طوالت سے کام لیتے ہوئے اس سلسلے میں صحابہ وتابعین کی کثیر تعداد کے اقوال سندوں کے ساتھ نقل کئے ہیں۔ اور جن پر اجماع کا دارو مدار ہے، صحابہ وتابعین (ومن بعدہم) ان کے اقوال نقل کئے ہیں۔ (امام) فضیل بن عیاض اور (امام) وکیع نے اسے (تمام) اہلِ سنت والجماعت سے نقل کیا ہے'' یعنی اس پر اہلِ سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اور زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ [فتح الباری ۱/۴۷] [ص۲۷]

ہشتم: کبیرہ گناہ کرنے والے کے بارے میں مرجئہ، خوارج اور معتزلہ کے مقابلے میں اہلِ سنت والجماعت درمیانے راستے پر گامزن ہیں۔ مرجئہ نے تفریط کرتے ہوئے ہر مومن کو کامل الایمان (یعنی مکمل ایمان والا) قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ گناہ مضر نہیں ہے جیسا کہ کفر کے ساتھ اطاعت مفید نہیں ہے۔ خوارج ومعتزلہ نے افراط کرتے ہوئے اسے (مرتکب کبیرہ کو) ایمان سے خارج قرار دیا ہے۔ پھر خوارج یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص کافر ہے جب کہ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ''منزلة بین المنزلتین'' یعنی دو منزلوں (کفر واسلام) کے درمیان ایک (تیسری) منزل پر ہے۔ خوارج ومعتزلہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ یہ شخص آخرت میں پکا دوزخی ہے، جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

اہلِ سنت کہتے ہیں کہ گناہگار مومن تو ہے لیکن ناقص الایمان ہے۔ انھوں نے مرجئہ کی طرح اسے کامل الایمان نہیں قرار دیا اور نہ خوارج ومعتزلہ کی طرح اسے ایمان سے خارج (یعنی کافر) قرار دیا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص ایمان کے ساتھ مومن ہے اور کبیرہ گناہ کی وجہ سے فاسق ہے۔ نہ تو انھوں نے اسے ایمان مطلق کا مقام دیا ہے اور نہ اس سے مطلق ایمان چھین لیا ہے۔ مرجئہ اس لئے گمراہ ہوئے کہ انھوں نے (صرف) وعدوں والی دلیلوں کو معمول بنایا اور وعید (ڈرادینے) والی دلیلوں کو مہمل چھوڑ دیا۔ اور خوارج ومعتزلہ اس لئے گمراہ ہوئے کہ انھوں نے وعید والی دلیلوں کو معمول بنایا اور وعدوں والی دلیلوں کو مہمل

چھوڑ دیا۔ اللہ نے اہلِ سنت والجماعت کوحق کی توفیق دی۔ انھوں نے وعد و وعید والی سب دلیلوں کو معمول بنایا۔ پس انھوں نے مرتکبِ کبیرہ کو کامل الایمان نہیں بنایا اور نہ دنیا میں اسے ایمان سے خارج کیا۔ آخرت میں اس کا معاملہ اللہ کے پاس ہے چاہے تو عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف کردے۔ اگر وہ اسے عذاب دے گا تو اسے ہمیشہ جہنم میں کافروں کی طرح نہیں رکھے گا۔ بلکہ یہ گناہ گار جہنم سے نکالا اور جنت میں داخل کیا جائے گا۔

بندے میں ایمان ومعصیت (نافرمانی)، محبت اور بُغض اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ اُس کے پاس جو ایمان ہے اُس کی وجہ سے اُس سے محبت کی جاتی ہے اور اس کے پاس جو فسق و نافرمانی ہے اس کی وجہ سے اُس سے بُغض رکھا جاتا ہے۔ اس کی مثال بڑھاپا ہے، جب آدمی موت کی طرف دیکھتا ہے تو بڑھاپے کو محبوب پاتا ہے (یعنی موت سے تو یہ بڑھاپا بھی کافی ہے) اور جب جوانی کی طرف دیکھتا ہے تو بڑھاپے کو پسندیدہ نہیں سمجھتا جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے:

الشيب كره و كره أن نفارقه فاعجب لشئ على البغضاء محبوب

بڑھاپا بُری چیز ہے اور ہم اسے چھوڑنا بھی ناپسند کرتے ہیں۔ اس چیز پر تعجب کرو جو مبغوض ہونے کے باوجود محبوب ہے۔

احسان، اسلام اور ایمان کے درجے

نہم: احسان، اسلام اور ایمان کے درجے ہیں۔ سب سے اعلیٰ درجہ احسان کا ہے۔ اس سے نیچے ایمان کا درجہ ہے اور اس کے بعد اسلام کا درجہ ہے۔ ہر مُحسن (شرعی احسان کرنے والا) مومن مسلم ہے۔ اور ہر مومن مسلم ہے لیکن ہر مومن محسن نہیں ہوتا۔ اور نہ ہر مسلم مومن محسن ہوتا ہے۔ اسی لئے سورۃ الحجرات میں آیا ہے کہ ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ اعراب (خانہ

بدوش بدووں) نے کہا: ہم ایمان لائے، ان سے کہہ دو: تم ایمان نہیں لائے، لیکن یہ کہو کہ ہم اسلام لائے، تمھارے دلوں میں (پورا) ایمان داخل نہیں ہوا۔[الحجرات:۱۴] [ص ۴۷]

ان درجات میں تفاوت (واختلاف) کی وجہ سے اہلِ سنت کے نزدیک ایمان میں استثنا کیا جاتا ہے۔ جب کسی آدمی سے کہا جائے کہ کیا تُو مومن ہے؟ تو وہ کہتا ہے: ان شاء اللہ یا مجھے اس کی اُمید ہے کیونکہ بغیر [1] استثنا کے ایمان کا ذکر کرنا اپنے نفس کا (بذاتِ خود) تزکیہ ہے۔ اہلِ سنت میں سے جس نے ایمان میں استثنا ترک کیا ہے تو اس کا مقصود اصل ایمان ہے جو کہ اسلام ہے۔ اس میں اپنا تزکیہ نہیں ہوتا۔

دہم: آپ ﷺ نے احسان کے بیان میں ارشاد فرمایا: ''تُو اللہ کی عبادت کرے (اس طرح کہ) گویا کہ تُو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے'' اس کا معنی یہ ہے کہ تُو اس طرح عبادت کرے گویا کہ تُو اللہ کے سامنے کھڑا اسے دیکھ رہا ہے۔ جس آدمی کی یہ حالت ہو تو وہ پورے کمال اور اہتمام سے عبادت کرتا ہے۔ اگر یہ حالت طاری نہ ہو سکے تو اسے یہ شعور قائم کرنا چاہئے کہ اللہ اس (کی ہر حرکت) پر مطلع ہے۔ اللہ سے کوئی چیز بھی خفیہ نہیں ہے، پس اسے ڈرنا چاہئے کہ اللہ اُسے اس حالت میں نہ دیکھے جس سے اس نے منع کر رکھا ہے۔ اسے پوری کوشش کے ساتھ وہ عمل کر کے اللہ کو دکھانا چاہئے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں ابن رجب لکھتے ہیں: ''احسان کی تفسیر میں آپ ﷺ کا ارشاد: **أن تعبداللّٰه كأنک تراه** (تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تُو اُسے دیکھ رہا ہے) اِلخ اشارہ کرتا ہے کہ (احسان والا) بندہ اس صفت پر اللہ کی عبادت کرتا ہے اور یہ اس کی قربت کا استحضار (حاضر کرنا) ہے اور یہ کہ وہ اُس کے سامنے ہے گویا کہ وہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ اس سے خشیت، خوف، ہیبت اور تعظیم پیدا ہوتی ہے جیسا کہ (سیدنا)

---

[1] امام یحیٰ بن سعید (القطان) فرماتے ہیں کہ: ''ما أدركت أحداً من أصحابنا ولا بلغني إلا على الاستثناء'' میں نے اپنے تمام اصحاب (ساتھیوں) کو استثنا پر ہی پایا ہے اور (اسلاف سے) مجھ تک یہی بات پہنچی ہے (الشریعۃ للآجری ص ۱۳۸ ح ۲۸۰ وسندہ صحیح، مسائل ابی داود ص ۲۷۴ وسندہ صحیح)

ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی (بیان کردہ) روایت میں آیا ہے کہ ((أن تخشی اللہ کأنک تـــراہ)) (تو اللہ سے ڈرے گویا کہ تُو اسے دیکھ رہا ہے) اور اس سے یہ بھی لازم ہوتا ہے کہ عبادت میں خیر خواہی، اس کی تحسین، اتمام اور اکمال میں پوری کوشش ہو۔" [جامع العلوم والحکم ۱/۱۲۶]

ابن رجب مزید لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ((فـإن لـم تـکـن تـراہ فـإنـہ یـراک)) (پس اگر تو اُسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے، کہا گیا ہے کہ یہ اول (جملے) کی تعلیل (بیانِ علت) ہے۔ بندے کو جب عبادت میں اللہ کو دیکھنے اور استحضار قربت کا حکم دیا جائے، گویا کہ بندہ اسے دیکھ رہا ہے تو یہ بعض اوقات اس کے لئے مشقت (کا باعث) ہوسکتا ہے۔ پس اسے اس طریقے سے اپنا ایمان مضبوط کرنا چاہئے کہ اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ اللہ اُس کے خفیہ و علانیہ، باطن اور ظاہر سب (اعمال) پر مطلع ہے۔ اُس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ جب یہ تمام متحقق ہو جائے تو اس کے لئے ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونا آسان ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بندہ بصیرت کے ساتھ ہمیشہ اپنے رب کے قرب و معیت کو دیکھتا رہتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بلکہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جس شخص کے لئے یہ باعث مشقت ہو کہ وہ اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے تو اُسے اس طرح اللہ کی عبادت کرنی چاہئے کہ اللہ اُسے دیکھ رہا ہے اور اس کی تمام حرکات پر پورا پورا مطلع ہے۔ پس اسے اللہ سے حیا کرنی چاہئے جو اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔" [جامع العلوم والحکم ص ۱/۱۲۸، ۱۲۹] [ص ۴۷]

ابن رجب مزید کہتے ہیں کہ "صحیح احادیث میں، حالتِ عبادت میں استحضار قربت کا استحباب آیا ہے۔" [ایضاً ۱/۱۳۰]

انھوں نے کچھ احادیث بیان کرنے کے بعد کہا: "جو شخص ان نصوص (دلائل) سے کسی قسم کی تشبیہ، حلول یا اتحاد سمجھتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جہالت اور بدفہمی کا مرتکب ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ان تمام (تشبیہات و حلول و اتحاد) سے بری ہیں۔ پس پاک ہے وہ جس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع بصیر ہے"

(ایضاً ۱/۱۳۰)[یعنی مستحب یہ ہے کہ عبادت کرتے وقت آدمی اپنے ذہن میں یہ تصور جمالے کہ وہ اللہ کے قریب ہے۔]

قیامت کا بیان

۷۔ اس حدیث میں آیا ہے کہ ''اس نے کہا: مجھے قیامت کے بارے میں بتائیں (کب آئے گی؟) تو آپ نے فرمایا: جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔اس نے کہا: آپ مجھے اس کی نشانیاں بتادیں۔آپ (ﷺ) نے فرمایا: (نشانیوں میں سے) یہ (بھی ہے) کہ لونڈی اپنی مالکن کو جنے گی اور تُو دیکھے گا کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن غریب چرواہے (اونچی) کوٹھیوں میں تکبر کریں گے (اور اترائیں گے) پھر وہ شخص چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں چپ رہا، پھر آپ نے مجھے فرمایا: اے عمر! کیا تو جانتا ہے کہ یہ سائل کون تھا؟ میں نے کہا: اللہ اور رسول سب سے زیادہ جانتے ہیں۔آپ (ﷺ) نے فرمایا: یہ جبریل تھے جو تمھارے پاس تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے''

اس میں (سات) فائدے ہیں:

قیامت کا علم

اول: قیامت کا علم خاص اللہ ہی کو حاصل ہے (یعنی یہ اسی کی خصوصیت ہے) اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ بے شک قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور جو کچھ ارحام میں ہے وہ جانتا ہے۔کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا، بے شک اللہ علیم (و) خبیر ہے۔[لقمٰن:۳۴]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾ اور غیب کی چابیاں اُسی کے پاس ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[الانعام:۵۹]

انھی (چابیوں) میں سے قیامت کا علم ہے۔ صحیح بخاری میں (سیدنا) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیب کی پانچ چابیاں ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ ...تلاوت فرمائی۔[ح ۴۷۷۸]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ وہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ کہہ دیجئے اُس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے۔ اس کا وقت وہ اپنے سوا کسی کو نہیں بتاتا۔ وہ (قیامت) آسمانوں اور زمین پر بھاری ہے۔ وہ تمھارے پاس اچانک ہی آجائے گی۔ وہ آپ سے پوچھ رہے ہیں گویا کہ آپ اس (قیامت کے وقت) کا مکمل علم رکھتے ہیں۔ کہہ دیجئے: اِس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔[الاعراف:۱۸۷]

[ص ۷۵]

سنت میں آیا ہے کہ قیامت جمعہ کے دن آئے گی، رہا یہ کہ کس سال آئے گی؟ سال کے کس مہینے میں آئے گی؟ مہینے کے کس جمعہ کو آئے گی، تو اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

صحیح مسلم میں (سیدنا) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین دن، جس میں سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم (علیہ السلام) پیدا کئے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن اُس سے نکالے گئے اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی آئے گی۔[ح ۸۵۴]

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم (علیہ السلام) پیدا کئے گئے اور اسی دن (جنت سے) اُتارے گئے۔ اسی

دن اُن کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن فوت ہوئے اور اسی دن قیامت برپا ہوگی۔ ہر جانور جمعہ کے دن صبح کے وقت سورج کے طلوع سے پہلے قیامت کے خوف سے ڈرا رہتا ہے۔ سوائے جنوں اور انسانوں کے یعنی وہ قیامت سے بے خوف ہیں۔

[سنن ابی داود: ۱۰۴۶ و سنن النسائی: ۱۴۳۰]

یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔ اس حدیث کے آخری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سورج کے طلوع سے پہلے، دن کے ابتدائی حصے میں آئے گی۔

دوم: مطلقاً قیامت سے مراد صُور پھونکے جانے کے وقت (سب مخلوقات کی) موت ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت صرف شریر لوگوں پر ہی قائم ہوگی [صحیح مسلم: ۲۹۴۹] اس سے پہلے جو آدمی مر جاتا ہے تو اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔ اب وہ دار العمل سے دار الجزاء (بدلے کے گھر) کی طرف منتقل ہو گیا۔ بعض اوقات قیامت کے اطلاق سے مراد مخلوقات کا دوبارہ زندہ ہونا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کے بارے میں فرمایا ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۟ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ صبح و شام وہ آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (کہا جائے گا) آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کرو۔ [المؤمن: ۴۶]

اور فرمایا ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ﴾ اور کافروں نے کہا: ہم پر قیامت نہیں آئے گی، کہہ دو: بلکہ میرے رب کی قسم وہ ضرور تم پر آئے گی۔ [سبا: ۳]

[ص ٧٦]

ان کافروں نے دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ کافروں نے یہ گمان کیا کہ انھیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ کہہ دو بلکہ میرے رب کی قسم تمھیں ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا پھر تم نے جو اعمال کئے ضرور ان کی خبر دی جائے گی اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ [التغابن: ۷]

سوم: آپ ﷺ کے ارشاد ''جس سے پوچھا جارہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری مخلوق نہیں جانتی کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ اس میں ہر سائل (سوال کرنے والا) اور ہر مسئول (جس سے سوال کیا جائے) عدمِ علم میں برابر ہیں۔

ابن رجب لکھتے ہیں کہ ''یعنی قیامت کے وقت کے بارے میں تمام مخلوقات کا علم برابر ہے اور یہ اشارہ ہے کہ قیامت کا علم اللہ نے صرف اپنے پاس ہی رکھا ہے۔ ''

(جامع العلوم والحکم ۱/۱۳۵)

قیامت کی نشانیاں

چہارم: رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے بارے میں متعدد (بہت سے) سوالات کئے گئے۔ نبی ﷺ سوال کرنے والے کو قیامت کی بعض نشانیاں بیان فرمادیتے یا سائل کی نظر اس کے سوال سے زیادہ اہم چیز کی طرف مبذول فرمادیتے۔ پہلی بات میں سے وہ حدیث ہے جسے (سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی نے نبی ﷺ سے سوال کیا: قیامت کب آئے گی؟ تو آپ نے فرمایا: جب امانت ضائع ہوجائے (یعنی کوئی بھی امین نہ رہے) تو قیامت کا انتظار کرنا اِلخ (صحیح البخاری: ۵۹) دوسری بات کی مثال وہ حدیث ہے جسے (سیدنا) انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے قیامت کے بارے میں پوچھا: قیامت کب آئے گی؟ تو آپ نے فرمایا: تُو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا: کوئی (خاص) چیز نہیں اِلا یہ کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: تُو جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہوگا۔

[صحیح بخاری: ۳۶۸۸ وصحیح مسلم: ۲۶۳۹]

پنجم: اس حدیث میں آیا ہے کہ ''فأخبرني عن أمارا تها'' پس مجھے اس کی نشانیاں بتائیں... اِلخ أمارا تها سے مراد علامتیں (نشانیاں) ہیں۔ قیامت کی نشانیاں دو طرح کی

ہیں:

۱: وہ نشانیاں جو قیامت کے قریبی دور میں واقع ہوں گی جیسے سورج کا مغرب سے نکلنا، دجال کا نکلنا، یاجوج و ماجوج کا نکلنا اور عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آسمان سے نازل ہونا وغیرہ۔ [ص ۷۷]

قیامت سے پہلے کی علامات میں سے دو علامتوں کا ذکر اس حدیث (حدیثِ جبریل) میں موجود ہے۔

آپ ﷺ کے ارشاد ''یہ کہ لونڈی اپنی مالکن کو جنے گی'' کا معنی و تفسیر یہ ہے کہ کثرت سے فتوحات ہوں گی اور بہت سے (کفار) غلام بنائے جائیں گے۔ بعض لونڈیوں میں سے ایسی بھی ہوں گی جن کا آقا اُن سے ہمبستری کرے گا تو اُن کی اولاد ہوگی۔ پس وہ لونڈی اُم ولد (اولاد کی ماں) بن جائے گی۔ اور اس کی اولاد اس کے آقا کے مقام پر ہوگی۔

اور اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ حالات بدل جائیں گے۔ اولاد اپنی ماں کی نافرمانی کرے گی اور ان پر غالب ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ اولاد اس مقام پر پہنچ جائے گی کہ گویا وہ اپنے ماں باپ کے آقا ہیں۔ اسی معنی و مفہوم کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱/۱۲۳) میں ترجیح دی ہے (اور یہی مفہوم راجح ہے، واللہ اعلم)

آپ ﷺ کے ارشاد ''اور تُو دیکھے گا کہ ننگے پیر، ننگے بدن، غریب چرواہے (اونچی) کوٹھیوں میں تکبر کریں گے (اور اترائیں گے)'' کا معنی یہ ہے کہ غریب لوگ جو بکریاں چراتے تھے اور پہننے کے لئے اُن کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا، اُن کے احوال بدل جائیں گے۔ وہ شہروں میں سکونت پذیر ہو کر (بڑی بڑی) کوٹھیوں میں تکبر کریں گے (اور اترائیں گے)

یہ دونوں علامتیں واقع ہو چکی ہیں۔

ششم: ''پھر وہ شخص چلا گیا۔ میں تھوڑی دیر (ملیاً) چپ رہا، پھر آپ نے مجھے فرمایا: اے عمر! کیا تُو جانتا ہے کہ سائل کون تھا؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول سب سے زیادہ

جانتے ہیں۔آپ (ﷺ) نے فرمایا ''یہ جبریل تھے جو تمھارے پاس تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔'' ''ملیاً'' کا مطلب یہ ہے کہ ''ایک زمانہ'' نبی ﷺ نے تو اسی وقت اپنے صحابہ کو اس سائل کے بارے میں بتا دیا تھا۔اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ نے عمر (رضی اللہ عنہ) کو تین (دنوں) کے بعد بتایا۔تو اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔کیونکہ نبی ﷺ نے حاضرین کو تو (اسی وقت) بتا دیا تھا اور وہاں عمر رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے بلکہ اُٹھ کر مجلس سے (کسی وجہ سے) چلے گئے تھے۔اور پھر یہ اتفاق ہوا کہ وہ نبی ﷺ سے تین (دنوں) کے بعد ملے تو آپ نے انھیں بتا دیا۔

ہفتم: نبی ﷺ اپنے صحابہ سے بعض چیزوں کے بارے میں پوچھا کرتے تھے تاکہ اُن کی نظروں کو جواب کی تیاری کے لئے متوجہ فرمائیں۔تو صحابہ فرماتے تھے: اللہ اور اس کے رسول سب سے زیادہ جانتے ہیں۔پھر آپ انھیں جواب دیتے تھے جیسا کہ (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) کی بیان کردہ اس حدیث میں آیا ہے اور (سیدنا) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ ''کیا تُو جانتا ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ (معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا) میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول سب سے زیادہ جانتے ہیں۔''

[یہ حدیث صحیح بخاری: ۲۸۵۶ وصحیح مسلم: ۴۸ میں ہے] [ص ۷۸]

مسئول کے لئے یہ مشروع ہے کہ اگر اس کے پاس کسی چیز کا جواب نہ ہو تو وہ کہے: میں نہیں جانتا یا اللہ جانتا ہے۔یہ جواب ہر سوال کے لئے مناسب ہے۔برخلاف اس کے کہ ''اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ جانتے ہیں'' اگر کہا جائے تو یہ ہر سوال کے لئے مناسب نہیں ہے۔اگر کوئی شخص سوال کرے کہ: قیامت کب آئے گی؟ تو اس کا صرف یہی جواب متعین ہے کہ اللہ جانتا ہے، کیونکہ نبی ﷺ یہ نہیں جانتے کہ قیامت کب آئے گی۔

اور یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ اپنی وفات کے بعد اپنی اُمت کے بارے میں نہیں جانتے کہ اُمتیوں نے کیا اعمال کئے ہیں۔اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے (سیدنا) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے کہ ''میں حوض (کوثر) پر تم سے پہلے تمھارا منتظر ہوں

گا۔تم میں سے کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے پھر انھیں مجھ سے دور ہٹا دیا جائے گا۔پس میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں، تو کہا جائے گا: آپ کو پتہ نہیں کہ انھوں نے کیا کیا بدعات ایجاد کر لی تھیں۔[صحیح بخاری:۶۵۷۶ وصحیح مسلم:۲۲۹۷]

اس حدیث میں اصحاب (ساتھیوں) سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور انھیں اُن لشکروں نے قتل کیا تھا جنھیں (سیدنا) ابوبکر (الصدیق رضی اللہ عنہ) نے مرتدین کے قتال کے لئے بھیجا تھا۔[نیز دیکھئے ص ۵۰/الاصل]

اس عظیم حدیث (حدیثِ جبریل) کی شرح یہاں ختم ہوگئی، **والحمد لله رب العالمين و صلى الله وسلم وبارک علٰی عبده و رسوله نبينا محمد و علٰی آله و صحبه أجمعين / الشيخ عبدالمحسن العباد المدني حفظه الله**

(ترجمہ ختم ہوا، والحمدللہ رب العالمین) [ص ۷۹]

حافظ زبیر علی زئی

مسجد اہل حدیث گاؤں پیاڑ تحصیل کلکوٹ ضلع دیر بالا شمالی پاکستان

[6 اگست 2005ء ۳۰ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ]



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے ننانوے (99) نام

ابن ابی زید القیروانی [1] رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

☆۹: ''**ولـه الأسماء الحسنى والصفات العلى** ''اور اسی (اللہ) کے لیے اسماءِ حُسنیٰ اور عالی صفات ہیں۔ [مقدمۃ رسالۃ ابن ابی زید القیروانی مع الشرح: قطف الجنی الدانی: ۹ص۸۲]

اس کی شرح میں شیخ عبدالمحسن العباد المدنی [2] فرماتے ہیں:

۱: اللہ کے نام اور اس کی صفات، علمِ غیب سے ہیں جن کے بارے میں نازل شدہ وحی: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کے بغیر کلام کرنا جائز نہیں ہے۔ اسماء (ناموں) اور صفات میں سے صرف اُسی کا اثبات (واقرار) کرنا چاہیے جسے اللہ عزّ وجل نے اپنے لیے یا اس کے رسول نے اُس (اللہ) کے لیے ثابت قرار دیا ہے، وہ صفات جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان کے لائق ہیں، کیفیت (کے بارے میں سوال) اور تمثیل (مخلوق سے مثال دینا) کے بغیر، تحریف اور تعطیل (معطل قرار دینے) سے بچتے ہوئے (اور) ہر اُس چیز سے تنزیہ (بری الذمہ اور پاک ہونے) کا عقیدہ رکھتے ہوئے اقرار کرنا چاہیے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ**﴾ اس (اللہ) کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع (سننے والا) بصیر (دیکھنے والا) ہے۔ [الشوریٰ:۱۱]

۲: اللہ تعالیٰ کے ناموں کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے، اللہ نے انھیں اسماءِ حُسنیٰ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ **وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا** ۪ ﴾ اور اللہ کے اسماء

---

[1] ابو محمد عبداللہ بن ابی زید، توفی ۳۸۶ھ، ان کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''**وكان رحمه الله على طريقة السلف في الأصول، لا يدري الكلام ولا يتأوّل** ''(سیر اعلام النبلاء ۱۲/۱۷) وثقہ القابسی وغیرہ دیکھئے مدرسۃ الحدیث فی القیروان (ص۶۴۳)

[2] جزیرۃ العرب کے کبار علماء میں سے ہیں، دیکھئے الحدیث: ۱۴ص۳۳

حُسنیٰ (بہترین نام) ہیں، پس تم اسے ان (ناموں) کے ساتھ پکارو۔[الاعراف:۱۸۰]
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا دوسرا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں، اُسی کے اسماءِ حُسنیٰ ہیں۔[طٰہٰ:۸]
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ﴾ وہی اللہ خالق، باری تعالیٰ (اور) مصوّر ہے، اس کے اسماءِ حُسنیٰ ہیں۔ [الحشر:۲۴]
اللہ کے اسماءِ حُسنیٰ کا معنی یہ ہے کہ وہ (خوبصورتی میں) حُسن کے بلند ترین اور اعلیٰ ترین مقام پر پہنچے ہوئے ہیں۔ انھیں صرف اچھے نام ہی نہیں کہا جاتا بلکہ اسمائے حسنیٰ کہا جاتا ہے جیسا کہ ان آیات کریمہ سے ثابت ہے۔
۳: اللہ کے سارے نام مُشتق (الفاظ وکلام سے نکالے گئے) ہیں جو کہ معانی پر دلالت کرتے ہیں (اور) یہ (اس کی) صفات ہیں۔ مثلاً عزیز عزت پر، حکیم حکمت پر، کریم کرم پر، عظیم عظمت پر، لطیف لُطف پر اور رحمٰن الرحیم رحمت پر دلالت کرتے ہیں، اور یہی مفہوم دوسرے ناموں میں بھی ہے۔
اللہ کے ناموں میں کوئی اسم جامد نہیں۔ بعض علماء نے جو اللہ کے ناموں میں ''الدھر'' شمار کیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ حدیثِ قدسی ہے (کہ اللہ فرماتا ہے):
''یؤ ذینی ابن آدم یسبّ الدھر وأنا الدھر بیدي الأمر أقلب اللیل والنھار'' ''ابن آدم مجھے ایذا (تکلیف) دیتا ہے (یعنی غضب دلاتا ہے) وہ الدھر (زمانے) کو گالیاں دیتا ہے اور میں الدھر (بدلانے والا) ہوں۔ اختیار میرے ہاتھ میں ہے، دن اور رات کو میں ہی پھیرتا ہوں۔[صحیح بخاری:۴۸۲۶ وصحیح مسلم:۲۲۴۶]
یہ حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ اللہ کے ناموں میں ''الدھر'' بھی ہے کیونکہ (ص۸۲) الدھر زمانے کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی دن ورات کو پھیرتا (پے در پے لاتا) ہے، پس جس نے مُقلَّب (جسے پھیرا جاتا ہے) یعنی زمانے کو گالی دی تو اس کی گالی مُقلِّب (جو پھیرنے والا ہے) یعنی اللہ کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اس کو اللہ نے اپنے قول ''اختیار

میرے ہاتھ میں ہے، دن اور رات کو میں پھیرتا ہوں'' سے بیان کیا ہے۔ رہیں صفات تو ہر صفت سے نام نہیں نکالا جاتا کیونکہ بعض صفاتِ باری تعالیٰ ذاتی ہیں: الوجہ (چہرہ) ید (ہاتھ) اور قدم۔ ان سے ناموں کا استخراج نہیں ہوتا۔ اور اللہ کی بعض صفات فعلیہ ہیں: الاستہزاء، کید اور مکر۔ ان سے بھی نام نہیں نکالے جاتے اور نہ تو اللہ کو ماکر، مستہزئی اور کائد کہنا جائز ہے۔ [1]

میں کہتا ہوں کہ بات سے بات نکلتی ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے ثابتہ مشتق ہیں جو معانی پر دلالت کرتے ہیں، ان میں کوئی اسم جامد نہیں ہے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں طٰہٰ اور یٰسٓ کا کوئی ثبوت ہے۔ [2]

ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''قرآن اور سورتوں کے ناموں کے ساتھ نام رکھنا ممنوع ہے، جیسے طٰہٰ، یٰسٓ اور حٰمٓ، شبیلی (ایک مشہور عالم) نے ذکر کیا ہے کہ (امام) مالک نے یاسین نام رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ [3]

عوام جو سمجھتے ہیں کہ یاسین اور طٰہٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ہیں، تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اس بارے میں کوئی حدیث نہیں، نہ صحیح نہ حسن اور نہ مرسل (یعنی منقطع) اور نہ یہ کسی صحابی کا قول ہے۔ یہ حروف (مقطعات) الم، حم اور الر وغیرہ کی طرح ہیں۔''

[تحفۃ المودود ص ۱۲۷]

ہوسکتا ہے عوام کی غلطی کی وجہ یہ ہو کہ سورت طٰہٰ اور سورت یٰسٓ میں ان حروف مقطعات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے یہ لوگ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں

---

[1] اللہ تعالیٰ کے ساتھ بُری صفات مثلاً ''امکانِ کذبِ باری تعالیٰ'' کا انتساب صریحاً کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے اور وہ تمام بُری صفات سے پاک ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ بُری صفات منسوب کرتا ہے وہ کافر ہے۔ تعالی اللّٰہ عما یقولون علواً کبیرا

[2] بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کی مشابہت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ننانوے نام بنا رکھے ہیں۔ اس کا کوئی ثبوت کتاب وسنت میں نہیں ہے۔

[3] اس کی سند امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ تک معلوم نہیں ہے۔ واللہ اعلم

سے سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ سورتِ اعراف اور سورتِ ابراہیم میں بھی حروفِ مقطعات کے بعد نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اور یہ نہیں کہا جاتا کہ المص اور الر بھی آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ناموں میں سے ہیں۔ [ص ۸۳]

۴: اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کسی (خاص) تعداد میں محصور نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض نام ایسے ہیں جو اللہ عزوجل نے لوگوں کو بتائے ہیں اور بعض کو اپنے علم غیب میں رکھا ہے۔

اس بات کی دلیل وہ حدیث ہے جسے (سیدنا) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: جو آدمی کسی مصیبت اور غم میں مبتلا ہو، پھر یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ عَبْدُكَ، ابنُ عَبْدُكَ، ابنُ أَمَتِكَ ، نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ ،مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُ كَ ،أَسْئَالُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَلَكَ ،سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ ، أَوْعَلَّمْتَهُ أَحداً مِّنْ خَلْقِكَ ،أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِيْ كِتَابِكَ ،أَوِ اسْتَأْ ثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ،أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ صَدْرِيْ وَجَلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَا بِ هَمِّيْ))

اے اللہ بے شک میں تیرا بندہ ہوں تیرے بندے کا بیٹا ہوں تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیرا حکم مجھ پر جاری وساری ہے۔ میرے بارے میں تیرا فیصلہ عدل وانصاف والا ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں، جو نام تُو نے اپنے لیے رکھا ہے یا اپنے پاس علم الغیب میں ہی رکھ لیا ہے۔ تُو قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کا نور بنادے اور میری مصیبت وغم کو دُور کردے، تو اللہ اس کے غم ومصیبت کو دور کردیتا ہے اور اس کے بدلے اسے خوشی عطا فرماتا ہے۔ کہا گیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم اس (دعا) کو یاد کرلیں؟ تو آپ نے فرمایا: جو شخص اسے سُن لے تو چاہیے کہ وہ اسے یاد کرلے۔

[مسند احمد ۱/۳۹۱ ح ۳۷۱۲]

اس روایت کو شعیب ارنووط اور ان کے دونوں ساتھیوں نے ضعیف کہا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے اسے حسن اور (شیخ) البانی نے السلسلۃ الصحیحۃ (۱۹۹، ۱۹۸) میں صحیح کہا ہے۔

ابن القیم نے اپنی کتاب شفاء العلیل کے ستائیسویں باب میں اس حدیث کو صحیح [1] قرار دے کر اس کی لمبی شرح کی ہے۔[ص۳۶۹ تا ۳۷۴]

اصل یہ ہے کہ (اللہ کے) نام کسی خاص تعداد میں منحصر نہیں ہیں، سوائے اس کے کہ کوئی دلیل اس پر دلالت کرے، اور مجھے اس کی کوئی دلیل معلوم نہیں ہے۔

رہی وہ حدیث جسے بخاری (۲۷۳۶، ۶۴۱۰، ۷۳۹۲) اور مسلم (۲۶۷۷) نے (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے ننانوے (یعنی) ایک کم سو نام ہیں، جس نے انھیں یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگا''

یہ حدیث اس تعداد (ننانوے) میں، اللہ کے ناموں کو منحصر کرنے کی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ کے ناموں میں سے ننانوے نام ایسے ہیں، جنھیں اگر کوئی یاد کرلے تو جنت میں داخل ہوگا۔ جیسے اگر کوئی کہے کہ میرے پاس سو کتابیں ہیں جنھیں میں نے طالب علموں کے لیے تیار کیا ہے تو یہ اس کی دلیل نہیں ہے کہ اس کے پاس سو سے زیادہ کتابیں نہیں ہیں۔[ص۸۴]

۵: اللہ تعالیٰ کے (ننانوے) ناموں کی تعداد بیان کرنے کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ (دیکھئے ص ۱۴۷) بعض علماء نے اجتہاد کر کے کتاب وسنت سے (اللہ کے) ننانوے نام نکالے ہیں، ان علماء میں سے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲۱۵/۱۱) اور **التلخیص الحبیر** (۱۷۲/۴) میں، اور شیخ محمد بن العثیمین نے اپنی کتاب ''**القواعد المثلیٰ**'' (ص ۱۵، ۱۶) میں یہ تعداد جمع کی ہے۔ یہ تینوں کتابیں اکثر ناموں (کے ذکر) میں ایک دوسرے سے متفق ہیں اور بعض میں ایسے نام مذکور ہیں جو دوسری کتاب میں نہیں ہیں۔ اللہ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ننانوے نام، حروف تہجی پر مرتب کئے ہوئے، میں یہاں بیان کرتا

---

[1] اس روایت کی سند حسن ہے۔ اس کا ایک راوی ابو سلمہ الجہنی ہے جسے بعض علماء نے مجہول قرار دیا ہے لیکن ابن حبان اور حاکم (بتصحیح حدیثہ ۵۰۹/۱، ۵۱۰) نے اس کی توثیق کی ہے لہٰذا یہ راوی حسن الحدیث ہے۔ فضیل بن مرزوق بھی حسن الحدیث ہے۔ والحمد للہ

ہوں ۔ ہر نام کے ساتھ کتاب وسنت سے دلیل مذکور ہے ۔ان ناموں میں تین مذکورہ کتابوں پر دونام اضافہ کئے گئے ہیں۔الستیر اور الدیّان

۱:اللّٰہ،اس کا اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر ہی ہوتا ہے۔یہ بعض اوقات (جملوں میں) مبتدا بن کر آتا ہے اور اپنے ناموں کی خبر دیتا ہے۔مثلاً ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ غفور رحیم ہے[البقرۃ:۱۲۸] ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ عزیز (زبردست) حکیم ہے[البقرۃ:۲۲۸] اور اللہ کی طرف اس کے نام منسوب کیے جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ اور اللہ کے لیے اسماءِ حُسنیٰ ہیں۔[الاعراف:۱۸۰]

اور اللہ کا ارشاد ہے کہ ﴿لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ اسی کے لیے اسماءِ حُسنیٰ ہیں۔[طٰہٰ:۸]

۲:اَلْاٰخِرُ ،اس کی دلیل آیت ﴿هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾ ہے،وہی اول اور وہی آخر ہے [الحدید:۳]

۳:اَلْاَحَدُ،اس کی دلیل یہ ہے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کہہ دو،وہ اللہ ایک ہے۔[الاخلاص:۱]

۴: اَلْاَعْلٰى،اس کی دلیل یہ ہے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ اپنے اعلیٰ رب کی تسبیح بیان کر۔[الأعلیٰ:۱]

۵: اَلْاَكْرَمُ،اس کی دلیل یہ ہے ﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾ پڑھ اور تیرا رب اکرم (سب سے زیادہ کرم کرنے والا) ہے،[العلق:۳]

۶:اَلْاِلٰهُ، اس کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَاِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾ اور اللہ نے فرمایا:دوالٰہ نہ بناؤ،وہ تو صرف ایک الٰہ (معبود برحق) ہے،پس صرف مجھ ہی سے ڈرو۔[النحل:۵۱]

۷:اَلْاَوَّلُ(۱)اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ ﴿هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾ وہی اول (دیکھئے صفحہ

---

(۱) الاول سے مراد اللہ ہے۔دیکھئے صحیح مسلم (۲۷۱۳)
بعض الناس ''الاول'' سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیتے ہیں لیکن اس کی کوئی دلیل کتاب وسنت واجماع وآثار سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔

۱۴۷افائدہ:۲)اور وہی آخر ہے [الحدید:۳۰]

۸:اَلْبَارِئُ، اس کی دلیل یہ ہے ﴿هُوَ اللّٰهُ الْخٰلِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾ وہی اللہ خالق، باری (پیدا کرنے والا، اور) مصور ہے۔[الحشر:۲۴] [ص۸۵]

۹:اَلْبَاطِنُ، اس کی دلیل یہ ہے ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ﴾ وہی اول، آخر، ظاہر (غالب) اور باطن ہے۔[الحدید:۳]

۱۰:اَلْبَرُّ، اس کی دلیل یہ ہے ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴾ بے شک وہی بَر (بڑا محسن، اور) رحیم (انتہائی مہربان) ہے۔[الطّور:۲۸]

۱۱:اَلْبَصِيْرُ، اس کی دلیل یہ ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ اس (اللہ) کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع (سننے والا) بصیر (دیکھنے والا) ہے۔[الشوریٰ:۱۱]

۱۲:اَلتَّوَّابُ، اس کی دلیل یہ ہے کہ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تواب (توبہ قبول فرمانے والا) رحیم ہے۔[الحجرات:۱۲]

۱۳:اَلْجَبَّارُ، اس کی دلیل یہ ہے ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ﴾ اللہ وہی ذات ہے جس کے علاوہ دوسرا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں، وہی الملک (بادشاہ)، القدوس، السلام، المؤمن، المھیمن (نگہبان ومحافظ)، الجبار (اور) المتکبر ہے۔[الحشر:۲۳]

۱۴:اَلْجَمِيْلُ، اس کی دلیل یہ حدیث ہے ''إنّ اللّٰه جميل يحب الجمال '' بے شک اللہ جمیل (خوبصورت) ہے، جمال (خوبصورتی) کو پسند کرتا ہے۔[صحیح مسلم:۱۴۷]

۱۵:اَلْحَافِظُ، اس کی دلیل یہ آیت ہے ﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ پس اللہ بہترین حافظ (نگہبان) ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ [یوسف:۶۴]

۱۶:اَلْحَسِيْبُ، اس کی دلیل یہ ہے ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴾ اور اللہ ہی کو حسیب (حساب لینے والا) سمجھنا کافی ہے۔[النسآء:۶]

۱۷:اَلْحَفِیْظُ،اس کی دلیل یہ ہے﴿اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ﴾بے شک میرا رب ہر چیز پر حفیظ (حفاظت ونگہبانی کرنے والا) ہے۔[ھود:۵۷]

۱۸:اَلْحَقُّ،اس کی دلیل یہ ہے﴿ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ﴾یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور یہ (مشرکین) اُس (اللہ) کے سوا جس کو پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔[الحج:۶۲]

۱۹:اَلْحَکَمُ،اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ ''إن اللّٰه هو الحكم وإليه الحكم'' بے شک اللہ ہی حَکَم (فیصلہ کرنے ولا) ہے اور اسی کی طرف فیصلہ لے جایا جاتا ہے۔[سنن ابی داود:۴۹۵۵ و إسنادہ حسن]

۲۰:اَلْحَکِیْمُ،اس کی دلیل یہ آیت ہے﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ج وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے،سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہی عزیز (زبردست اور) حکیم (حکمت والا) ہے۔[الحشر:۱]

۲۱:اَلْحَلِیْمُ ،اس کی دلیل یہ ہے﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ﴾اور اللہ غفور حلیم (بردبار) ہے۔ [البقرۃ:۲۲۵]

۲۲:اَلْحَمِیْدُ،اس کی دلیل یہ ہے﴿وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ﴾اور وہی (اللہ) ولی (مددگار) حمید (حمد والا) ہے۔[الشوریٰ:۲۸]

۲۳:اَلْحَيُّ،اس کی دلیل یہ ہے﴿هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ط﴾وہی الحی (زندہ جاوید) ہے،اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں،پس خالص اسی کے دین کے ہوکر اُسے ہی پکارو۔[المؤمن:۶۵]

۲۴:اَلْحَیِيُّ ،اس کی دلیل حدیث ہے کہ ''إن اللّٰه عزوجل حيي ستير ،يحب الحياء والستر'' بے شک اللہ حیی (حیا کرنے ولا،اور) ستیر (پردہ ڈالنے والا) ہے۔وہ حیا اور (دوسروں کے عیبوں پر) پردے ڈالنے کو پسند کرتا ہے (سنن ابی داود:۴۰۱۲ وغیرہ و إسنادہ حسن)[ص۸٦]

۲۵:اَلْخَالِقُ،اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ﴿هُوَ اللّٰهُ الْخٰلِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾ دیکھئے فقرہ:۸

۲٦:اَلْخَبِيْرُ،اس کی دلیل یہ ہے﴿قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾اس (رسول) نے کہا: مجھے علیم (و) خبیر (خبر رکھنے والا ہے) نے خبر دی ہے۔[التحریم:۳]

۲۷:اَلْخَلَّاقُ،اس کی دلیل یہ ہے﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾ بے شک تیرا رب ہی خلاق (بہترین پیدا کرنے والا) علیم ہے۔[الحجر:۸٦]

۲۸:اَلدَّيَّانُ،اس کی دلیل،رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ''اللہ بندوں یا انسانوں کو (دوبارہ زندہ کرکے) اکٹھا کرے گا،لوگ ننگے،بغیر ختنہ کئے اور بہم ہوں گے (راوی کہتے ہیں کہ) ہم نے پوچھا: بہم کسے کہتے ہیں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: جن کے ساتھ کوئی چیز نہ ہو، پھر اللہ ایسی آواز سے اپنے بندوں کو پکارے گا جس آواز کو دور اور قریب والے ایک جیسا سنیں گے: میں رالملک ہوں، میں الدیّان ہوں رالخ (اسے حاکم نے المستدرک میں دو جگہ روایت کیا ہے ۲/۴۳۸، ۴/۵۷۴) حاکم اور ذہبی نے صحیح اور حافظ (ابن حجر) نے فتح الباری میں (۱/۱۷۴) اور البانی نے صحیح الادب المفرد (۷۴٦) میں حسن کہا ہے۔

۲۹:اَلرَّبُّ،اس کی دلیل یہ آیت ہے﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ سلامتی ہو، یہ رب رحیم کا قول ہے۔[یٰس:۵۸]

۳۰:اَلرَّحْمٰنُ ، اس کی دلیل یہ ہے﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو رب العالمین ہے،رحمٰن (بہت رحم کرنے والا) رحیم ہے[الفاتحۃ:۱،۲]

۳۱:اَلرَّحِيْمُ،اس کی دلیل یہ ہے﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾اور تمہارا الٰہ (معبود برحق) ایک الٰہ ہے،اس کے سوا دوسرا کوئی الٰہ نہیں، وہی رحمٰن (و) رحیم ہے.[البقرۃ:۱٦۳]

۳۲:اَلرَّزَّاقُ،اس کی دلیل یہ ہے﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ بے شک

اللہ ہی رزاق (رزق دینے والا) قوت والا متین (مضبوط وطاقتور) ہے۔[الذّاریات:۵۸]

۳۳:اَلرَّفِیْقُ، اس کی دلیل حدیث ہے''إنّ اللّٰہ رفیق یحبّ الرفق'' بے شک اللہ رفیق (مہربان دوست) ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے۔[صحیح بخاری:۶۹۲۷ وصحیح مسلم:۲۵۹۳]

۳۴:اَلرَّقِیْبُ، اس کی دلیل یہ آیت ہے﴿وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا﴾اور اللہ ہر چیز پر رقیب (نگہبان ومحافظ) ہے۔[الاحزاب:۵۲]

۳۵:اَلرَّءُ وْفُ، اس کی دلیل یہ ہے﴿اِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ﴾بے شک تمھارا رب رؤف (انتہائی مہربان اور) رحیم ہے۔[النحل:۷]

۳۶:اَلسُّبُّوحُ، اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ''سبوح قدوس ربّ الملائکة والرّوح''سبوح (ہر برائی اور عیب سے بالکل پاک اور برتر) قدوس ہے، ملائکہ اور روح کا رب ہے۔[صحیح مسلم:۴۸۷]

۳۷:السِّتِّیْرُ، اس کی دلیل اسم الحیي کے تحت گزر چکی ہے، فقرہ:۲۴ [ص۸۷]

۳۸:اَلسَّلَامُ، دلیل یہ ہے﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ﴾دیکھئے فقرہ:۱۳

۳۹:اَلسَّمِیْعُ، اس کی دلیل یہ ہے﴿وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ﴾اور اللہ تمھاری گفتگو سن رہا تھا، بے شک اللہ سمیع (سب سننے والا) بصیر ہے۔

[المجادلة:۱]

۴۰:اَلسَّیِّدُ، اس کی دلیل میں ہے''السیّد اللّٰہ تبارک وتعالیٰ''السید (سردار) اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔[سنن ابی داود:۴۸۰۶ وإسنادہ صحیح]

۴۱:اَلشَّافِيُ، اس کی دلیل حدیث ہے''اشف أنت الشافي لاشافي إلا أنت''شفا دے تو (ہی) شافی (شفا دینے والا) ہے، تیرے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں۔[صحیح بخاری:۵۷۴۲ وصحیح مسلم:۲۱۹۱]

۴۲:اَلشَّاکِرُ، اس کی دلیل یہ آیت ہے﴿وَکَانَ اللّٰهُ شَاکِراً عَلِیْمًا﴾اور اللہ شاکر

(قدر دان) علیم ہے۔[النسآء:۱۴۷]

۴۳:اَلشَّکُوْرُ، دلیل یہ ہے﴿اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ ﴾ بے شک ہمارا رب ضرور غفور شکور (بہت قدر دان) ہے۔[فاطر:۳۴]

۴۴:اَلشَّهِيْدُ، اس کی دلیل یہ ہے﴿اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ کیا تیرے رب کے لیے یہ کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر شہید (گواہ) ہے۔

[حٰمٓ السجدة:۵۳]

۴۵:اَلصَّمَدُ، دلیل یہ ہے﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ اللہ صمد (بے نیاز) ہے۔[الاخلاص:۲]

۴۶:اَلطَّیِّبُ ، اس کی دلیل حدیث ہے کہ ’’ إن اللّٰه طيّب و لا يقبل إلا طيبًا ‘‘ بے شک اللہ طیب (پاک) ہے اور وہ صرف طیب ہی قبول کرتا ہے۔[صحیح مسلم:۱۰۱۵]

۴۷:اَلظَّاهِرُ، اس کی دلیل کے لیے دیکھئے فقرہ:۹

۴۸:اَلْعَزِيْزُ، اس کی دلیل یہ ہے﴿يُسَبِّحُ لَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَالْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اُسی کی تسبیح کرتا ہے اور وہ عزیز (زبردست) حکیم ہے۔[الحشر:۲۴]

۴۹:اَلْعَظِيْمُ، اس کی دلیل یہ ہے﴿وَلَايَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَالْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴾ اور ان کی حفاظت اُسے نہیں تھکاتی اور وہ العلی العظیم ہے۔[البقرة:۲۵۵]

۵۰:اَلْعَفُوُّ، دلیل یہ ہے﴿وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾ اور بے شک یہ لوگ منکر اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور بے شک اللہ عفو (معاف کرنے والا) غفور ہے۔[المجادلة:۲]

۵۱:اَلْعَلِيْمُ، دلیل یہ ہے﴿وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾ اور اللہ تمھارا مولیٰ ہے اور وہ علیم (سب سے زیادہ علم والا) حکیم ہے۔[التحریم:۲]

۵۲:اَلْعَلِيُّ، دلیل یہ ہے﴿اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ بے شک وہ علی (بلند) حکیم ہے۔

[الشوریٰ:۵۱]

۵۳:اَلْغَالِبُ، دلیل یہ ہے ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ اور اللہ اپنے اَمر (حکم) پر غالب ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔[یوسف:۲۱]

[ص۸۸]

۵۴:اَلْغَفَّارُ، اس کی دلیل یہ ہے ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّاراً ﴾ پس میں نے کہا: اپنے رب سے استغفار کرو (گناہوں کی معافی مانگو) بے شک وہ غفار (گناہ معاف فرمانے والا) ہے۔[نوح:۱۰]

۵۵:اَلْغَفُوْرُ، دلیل یہ ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ بے شک اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، بے شک وہ غفور (گناہ معاف فرمانے والا) رحیم ہے۔[الزمر:۵۳]

۵۶:اَلْغَنِيُّ ، دلیل یہ ہے ﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ ﴾ اور اللہ غنی ہے اور تم فقیر (محتاج) ہو۔[محمد:۳۸]

۵۷:اَلْفَتَّاحُ ، دلیل یہ ہے ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴾ کہہ دو، ہمارا رب ہمیں اکٹھا کرے گا، پھر حق کے ساتھ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے گا اور وہی فتاح (رحمت ورزق کے دروازے کھولنے والا، فیصلہ کرنے والا) ہے۔[سبا:۲۶]

۵۸:اَلْقَادِرُ ، دلیل یہ ہے ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤی اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ ﴾ کہہ دو، وہ (اللہ) قادر ہے کہ تم پر تمھارے اوپر (آسمان) سے یا تمھارے نیچے (زمین) سے عذاب بھیج دے۔[الانعام:۶۵]

۵۹:اَلْقَاهِرُ ، دلیل یہ ہے ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴾ اور وہی اپنے بندوں پر قاہر (غالب) ہے اور وہی حکیم خبیر ہے۔[الانعام:۱۸]

۶۰:اَلْقُدُّوْسُ، دلیل یہ ہے ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴾ اللہ ہی کی تسبیح بیان کرتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں

ہے(وہی)مَلِک(بادشاہ)قدوس(عیوب ونقائص سے پاک و منزہ)حکیم ہے۔[الجمعۃ:۱]

۶۱:اَلْـقَدِیْرُ،اس کی دلیل یہ ہے کہ ﴿تَبٰـرَکَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْکُ ۫ وَهُـوَعَلٰی کُلِّ شَـیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ برکتوں والی ہے وہ ذات جس کے کے ہاتھ میں ملک(بادشاہی)ہے اور وہ ہر چیز پر قدیر ہے۔[الملک:۱]

۶۲: اَلْقَرِیْبُ، دلیل یہ ہے ﴿وَاِذَا سَـاَلَکَ عِبَـادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ ﴾اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھتے ہیں تو(بتادیں)بے شک میں قریب ہوں[البقرۃ:۱۸۶]

۶۳:اَلْقَهَّارُ،دلیل یہ ہے ﴿وَبَـرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾اور وہ(سب)ایک اللہ قہار (سب پر قاہر وغالب)کے سامنے کھڑے ہوجائیں گے۔[ابراہیم:۴۸]

۶۴:اَلْقَوِيُّ،دلیل یہ ہے ﴿یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴾ وہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہی القوی(سب سے زیادہ قوت والا)عزیز ہے۔[الشوریٰ:۱۹]

۶۵:اَلْقَیُّوْمُ،دلیل یہ ہے ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ﴾ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی الحی(زندہ جاوید)القیوم(بذات خود قائم ودائم اور ہر چیز پر محافظ ونگران)ہے۔

[البقرۃ:۲۵۵]

۶۶: اَلْکَبِیْرُ، دلیل یہ ہے ﴿ذٰلِکَ بِـاَنَّ اللّٰـهَ هُوَالْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَـاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰـهَ هُـوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ ﴾ یہ اس لئے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور یہ (مشرکین)اُس(اللہ)کے سوا جس کو پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور بے شک اللہ ہی العلی الکبیر(سب سے بڑا)ہے۔[الحج:۶۲]

۶۷: اَلْکَرِیْمُ، دلیل یہ ہے ﴿یٰٓـاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ ﴾ اے انسان! تجھے اپنے کریم(کرموں والے)رب کے بارے میں کس چیز نے(دھوکے میں ڈال دیا ہے؟[الانفطار:۶]

۶۸:اَلْکَفِیْلُ،دلیل یہ آیت ہے ﴿وَلَا تَـنْـقُـضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ

اللّٰہَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلاً ﴾اور مضبوط قسمیں کھانے کے بعد انھیں نہ توڑو اور (حال یہ ہے کہ) تم نے اللہ کو اپنے اوپر کفیل (کفالت کرنے والا، ضامن) بنا (یعنی تسلیم) کر رکھا ہے۔ [النحل:۹۱]

دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا قصہ بیان ہوا ہے جس نے اپنے قرض دہندہ کو کہا تھا "کفٰی باللّٰہ و کیلاً" اللہ کا وکیل ہونا کافی ہے۔

[صحیح البخاری:۲۲۹۱] [ص۸۹]

۶۹: اَللَّطِیْفُ، دلیل یہ ہے ﴿اَ لَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴾ کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے؟ اور وہی لطیف (تمام اسرار سے واقف، باریک بین) خبیر ہے۔ [الملک:۱۴]

۷۰: اَلْمُبِیْنُ، دلیل یہ ہے ﴿یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْھِمُ اللّٰہُ دِیْنَھُمُ الْحَقَّ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ﴾ اس دن اللہ انھیں اُن کے دینِ حق کا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی حق مبین (واضح کرنے والا) ہے۔ [النور:۲۵]

۷۱: اَلْمُتَعَالُ، دلیل یہ ہے ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ﴾ غیب وظاہر کا جاننے والا، کبیر اور متعال (بہت بلند) ہے۔ [الرعد:۹]

۷۲: اَلْمُتَکَبِّرُ، دلیل یہ ہے ﴿ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ ط﴾ [دیکھئے فقرہ:۱۳]

۷۳: اَلْمَتِیْنُ، دلیل یہ ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ ﴾ [دیکھئے فقرہ:۳۲]

۷۴: اَلْمُجِیْبُ، دلیل یہ ہے ﴿اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ﴾ بے شک میرا رب قریب مجیب (جواب دینے والا) ہے۔ [ھود:۶۱]

۷۵: اَلْمَجِیْدُ، دلیل یہ ہے ﴿رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ ج اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ﴾

اے اہلِ بیت تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں، بے شک وہ (اللہ) حمید مجید (بزرگی والا)

ہے۔[ھود:۷۳]

۷۶:اَلْمُحْسِنُ ، اس کی دلیل حدیث ہے کہ ’’إن اللّٰه محسن یحبّ المحسنین ‘‘ بے شک اللہ محسن (احسان کرنے والا) ہے وہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(الدیات لابن ابی عاصم ص ۵۶ والکامل لابن عدی ۲۱۴۵/۶ واخبار اصبھان لابی نعیم ۱۱۳/۲، اس کی سند حسن ہے جیسا کہ شیخ البانی نے سلسلۃ الصحیحۃ: ۴۷۰ میں ذکر کیا ہے، نیز دیکھئے صحیح الجامع الصغیر: ۱۸۱۹، ۱۸۲۰)

[ومصنف عبدالرزاق ۴۹۱/۴ ح ۸۶۰۳ وسندہ حسن، عبدالرزاق صرح بالسماع عند الطبرانی فی الکبیر ۲۷۵/۷ ح ۷۱۲۱، وروی البیہقی ۲۸۰/۹ بلفظ ’’إن اللّٰه محسان ‘‘وسندہ صحیح/ مترجم]

۷۷:اَلْمُحِیْطُ ، دلیل یہ ہے ﴿اَ لَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴾ خبردار، بے شک وہ (اللہ) ہر چیز کو مُحیط (گھیرے ہوئے) ہے۔ [حٰم السجدۃ:۵۴]

۷۸:اَلْمُصَوِّرُ، دلیل یہ ہے ﴿هُوَ اللّٰهُ الْخٰلِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾ دیکھئے فقرہ:۸

۷۹:اَلْمُعْطِيُّ، دلیل یہ حدیث ہے ’’والله المُعطی و أنا القاسم ‘‘اللہ دینے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔[صحیح بخاری:۳۱۱۶]

۸۰:اَلْمُقْتَدِرُ، دلیل یہ آیت ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴾ اور اللہ ہر چیز پر مقتدر (قدرت رکھنے والا) ہے۔[الکھف:۴۵]

۸۱:اَلْمُقَدِّمُ ، دلیل یہ حدیث ہے ’’أنت المقدّم وأنت المؤخّر ‘‘تو ہی مقدّم (آگے لانے والا) اور تو ہی مؤخر (پیچھے ہٹانے والا) ہے[صحیح بخاری:۱۱۲۰ وصحیح مسلم:۷۷۱] [ص ۹۰]

۸۲:اَلْمُقِیْتُ ، دلیل یہ آیت ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا﴾ اور اللہ ہر چیز پر مُقیت (ہر جاندار کو رزق اور خوراک عطا کرنے والا) ہے۔[النسآء:۸۵]

۸۳:اَلْمَلِكُ، دلیل یہ آیت ہے ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ﴾[دیکھئے فقرہ:۱۳]

۸۴:اَلْمَلِیْكُ، دلیل یہ ہے کہ ﴿فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾ وہ ملیک (بادشاہ) مقتدر کے پاس سچی بیٹھک میں (بیٹھے) ہوں گے۔[القمر:۵۵]

۸۵:اَلْمَنَّانُ، دلیل حدیث ہے کہ ''اللّٰھم إنّي أسئلک بأن لک الحمد لا إلٰہ إلا أنت المنان '' اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تیرے لیے ہی (ہرقسم) کی حمد ہے، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں، تُو المنان (احسان کرنے والا) ہے۔[سنن ابی داود:۱۴۹۵ و اِسنادہ حسن]

۸۶:اَلْمُهَيْمِنُ، دلیل کے لیے دیکھئے فقرہ:۱۳

۸۷:اَلْمُؤَخِّرُ ، دلیل کے لیے دیکھئے فقر:۱۸

۸۸:اَلْمَوْلٰی ، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴾ بہترین مولیٰ (کارساز) اور بہترین مدگار (اللہ) ہے۔[الانفال:۴۰]

۸۹: اَلْمُؤْمِنُ، دیکھئے فقرہ:۱۳

۹۰: اَلنَّصِيْرُ، دلیل یہ آیت ہے ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْراً﴾ اللہ کا ولی ہونا کافی ہے اور اللہ کا نصیر (مدگار) ہونا کافی ہے۔[النسآء:۴۵]

۹۱:اَلْهَادِيُ، دلیل یہ ہے ﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِياً وَّنَصِيْراً﴾ اور تیرے رب کا ہادی (ہدایت دینے والا) اور نصیر ہونا کافی ہے۔[الفرقان:۳۱]

۹۲:اَلْوَاحِدُ ، دلیل یہ ہے ﴿قُلِ اللّٰهُ خٰلِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ کہہ دو، اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی الواحد (اکیلا) قہار ہے۔[الرعد:۱۶]

۹۳:اَلْوَارِثُ، دلیل یہ ہے ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں۔ [الحجر:۲۳]

۹۴:اَلْوَاسِعُ ، دلیل یہ ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں، پس تم جس طرف منہ پھیرو اسی طرح اللہ کا وجہ (چہرہ) ہے، بے شک اللہ واسع (وسعتوں والا) علیم ہے۔[البقرۃ:۱۱۵]

۹۵:اَلْوِتْرُ، اس کی دلیل حدیث ہے کہ ''إنّ اللّٰہ وتر یحب الوتر '' بے شک اللہ وتر (ایک) ہے، وتر کو پسند کرتا ہے۔[صحیح بخاری:۶۴۱۰ وصحیح مسلم:۲۶۷۷]

۹۶:اَلْوَدُوْدُ، دلیل یہ ہے ﴿اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۙ﴾ بے شک

وہی ابتدا کرتا ہے اور لوٹا تا ہے اور وہی غفور ودود (محبت کرنے والا) ہے[البروج:۱۳/۱۴]

۹۷:اَلْوَکِیْلُ، دلیل یہ ہے ﴿فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ﴾ پس ان کا ایمان زیادہ ہو گیا اور انھوں نے کہا: ہمارے لئے ہمارا رب کافی ہے اور وہ بہترین الوکیل (رزق ومعاش کا کفیل) ہے۔[ال عمران:۱۷۳] [ص۹۱]

۹۸:اَلْوَلِيُّ ، دلیل یہ ہے﴿ فَاللّٰہُ ھُوَ الْوَلِیُّ وَھُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰی ﴾پس اللہ ہی الولی (مددگار، دوست) ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔[الشوریٰ:۹]

۹۹:اَلْوَھَّابُ، دلیل یہ آیت ہے کہ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ﴾اے ہمارے رب، ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کرنا، اور اپنی طرف سے ہمیں رحمت عطا فرما، بے شک تو الوہاب (عطا فرمانے والا) ہے۔[ال عمران:۸]

حدیث میں بیان شدہ اللہ کے اسماءِ حُسنیٰ (ننانوے ناموں) کی موافقت کرتے ہوئے ابن القیم نے اپنی کتاب إعلام الموقعین (۱۴۹/۳،۱۷۱) میں سدِ ذرائع کے قاعدے کی تائید کے لئے ننانوے وجوہ (دلیلیں) بیان کی ہیں اور اسی پر اقتصار (انحصار، اکتفا) کیا ہے۔ (سدِّ ذرائع کا مطلب یہ ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف تمام راستوں کو بند کردینا تاکہ بُرائی کا سدّ باب ہو جائے/مترجم)

اور میں نے اپنی کتاب ''دراسة حديث : نضر الله امرأ سمع مقالتي ،رواية ودراية ''میں اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے ننانوے فائدے بیان کئے ہیں (ص۲۰۱ تا ۲۱۰) یہ حدیث نضر اللہ إلخ اپنے الفاظ کثیرہ کے ساتھ مختصر ومطول مروی ہے۔ [سنن الترمذی (۲۶۵۸) وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'' ومسند الحمیدی (بتحقیقی: ۸۹) وھو حدیث صحیح/یہ حدیث متواتر ہے دیکھئے نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (ح۳)]

۶: اللہ کے بعض نام ایسے ہیں جو دوسروں پر بھی استعمال کئے جاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ تمھارے پاس تمھاری اپنی جانوں میں سے رسول آ گیا، جسے تم مشکل سمجھتے ہو وہ اس پر گراں (گزرتا) ہے، تمھاری بہتری چاہنے والا، مومنین کے ساتھ رؤف رحیم ہے [التوبۃ:۱۲۸] اور فرمایا: ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا﴾ بے شک ہم نے انسان کو (مرد وعورت کے) ملے جلے نطفے سے پیدا کیا (تاکہ) اسے آزمائیں، پھر ہم نے اسے سمیع (سننے والا) بصیر (دیکھنے والا) بنایا۔[الدھر:۲]

جن معانی پر یہ نام دلالت کرتے ہیں ان میں خالق مخلوق کے مشابہ نہیں اور نہ مخلوق خالق کے مشابہ ہے۔ بعض ایسے نام ہیں جو صرف اللہ کے بارے میں کہے جاسکتے ہیں کسی دوسرے کے بارے میں یہ نام کہنا جائز نہیں مثلاً اللہ، رحمٰن، خالق، باری، رازق اور الصمد (وغیرہ)

ابن کثیر سورہ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ناموں کا استعمال مخلوق کے بارے میں جائز ہے اور بعض کا استعمال مخلوق کے بارے میں جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ کا نام رحمٰن، خالق اور رازق وغیرہ کا استعمال مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے'' [ص:۹۲]

☆۱۰: ابن ابی زید القیروانی فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات اور ناموں کے ساتھ ہمیشہ سے ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی صفتیں مخلوق ہوں یا اس کے نام محدث (نئے، غیر قدیم) ہوں''

اللہ ہی اپنی صفات کے ساتھ ازلی وابدی موصوف اور اپنے ناموں کے ساتھ موسوم ہے۔ اللہ نے اپنا ایسا کوئی نام نہیں رکھا جس کے ساتھ وہ پہلے موسوم نہیں تھا۔

اللہ کی صفات دو طرح کی ہیں:

اول: ذاتی صفات جو ذات کے ساتھ ازل وابد سے قائم ودائم ہیں، مشیئت وارادے سے متعلقہ نہیں ہیں مثلاً الوجہ (چہرہ) الید (ہاتھ) الحیاۃ (زندگی) السمع (سننا) البصر (دیکھنا) العلو (بلند ہونا)

دوم: صفات فعلیہ جو مشیئت اور ارادے سے متعلقہ ہیں جیسے الخلق (پیدا کرنا) الرزق (رزق دینا) الاستواء (مستوی و بلند ہونا) النزول (نازل ہونا) اور المجئی (آنا)

ان صفات کی نوعیت قدیم ہے اور ان کا نفاذ جدید ہے۔ اللہ ازل سے الخلق اور الرزق کی دونوں صفتوں سے موصوف ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ پہلے موصوف نہیں تھا اور بعد میں موصوف بن گیا۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بعد عرش پر استواء [1] ہوا۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بعد نزول (کی صفت) ہوا۔ المجئی (آنے) کی صفت، ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق ہے کہ ﴿وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا﴾ اور تیرا رب اور فرشتے صف در صف آئیں گے۔ [الفجر:۲۲]

اس صفت کا اظہار قیامت کے دن بندوں کے درمیان فیصلے کے وقت ہوگا اس کی صفت "وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے" نوعیت کے لحاظ سے قدیم ہے۔ اور یہ مختلف افعال ان اوقات میں ہوئے ہیں جب اللہ نے انھیں کرنا چاہا ہے۔ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے اللہ ہی خالق ہے اس کے سوا ہر چیز مخلوق ہے۔ اللہ کی صفتوں میں سے کوئی صفت مخلوق نہیں ہے اس کے نام محدث (جدید) نہیں ہیں اور نہ ان کے رکھنے کی کوئی ابتدا ہے۔ [2]

[قطف الجنی الدانی شرح مقدمۃ ابن أبی زید القیروانی ص ۹۳] انتھی

---

[1] اہل سنت کے اس عقیدے کے سراسر برعکس، اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں کہ "اور صفات قدیم ہیں تو جس وقت عرش نہ تھا استواء اُس وقت بھی تھا اور جس وقت سماء نہ تھا نزول الی السماء اُس وقت بھی تھا ...." [ملفوظات حکیم الامت ج ٦ ص ١٠٢ ملفوظ: ١٩٢]

تھانوی صاحب کے اس قول کا آسان الفاظ میں یہ مطلب ہے کہ جب عرش نہیں تھا تو اُس وقت بھی اللہ عرش پر مستوی تھا۔ اور جب آسمانِ دنیا نہیں تھا تو اُس وقت بھی ہر رات کو اللہ آسمانِ دنیا پر نازل ہوتا تھا۔ یہ قول سراسر بدعت ہے کتاب وسنت واجماع اور آثار سلف صالحین اسے اس قول کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس قسم کے باطل اقوال کی مدد سے منکرین صفاتِ باری تعالیٰ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی نہیں ہے اور نہ وہ آسمانِ دنیا پر ہر رات نازل ہوتا ہے۔ استواء علی العرش سے ان لوگوں کے نزدیک مراد استولیٰ (غلبہ) اور نزول سے مراد رحمت کا نزول ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ عما یقولون علواً کبیراً

[2] اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں الٰہ اور رب کا فارسی و اردو وغیرہ زبانوں میں ترجمہ: خدا ہے۔

حافظ ابن حزم (متوفی ۴۵٦ھ) لکھتے ہیں کہ ''**واتفقوا علیٰ تحریم محل اسم معبد لغیر اللہ عزوجل کعبد العزیٰ وعبد ھبل وعبد عمرو وعبد الکعبۃ وما أشبہ ذالک حاشا عبد المطلب**'' اوراس پر اتفاق (اجماع) ہے کہ اللہ کے سواء، غیر اللہ سے غیر کے ساتھ منسوب ہر نام حرام ہے مثلاً عبدالعزیٰ، عبدہبل، عبدعمرو، عبدالکعبہ اور جو ان سے مشابہ ہے سوائے عبدالمطلب کے۔

[مراتب الاجماع ص ۱۵۴ باب رالصید والضحایا والذبائح والعقیقۃ]

ملا علی قاری حنفی (متوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

''**ولا یجوز نحو عبد الحارث ولا عبد النبي ولا عبرۃ بما شاع فیما بین الناس**'' اورعبدالحارث اورعبدالنبی جیسے نام ناجائز ہیں۔ اورلوگوں میں جومشہور ہوگیا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ [مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۵۱۳ تحت ح ۴۷۵۵ باب الأسامی، الفصل الأول]

معلوم ہوا کہ عبدالنبی، عبدالرسول اورعبدالمصطفیٰ وغیرہ نام رکھنے جائز نہیں ہیں۔

ابوالفضل محمود آلوسی البغدادی (متوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

''**وخلاصۃ الکلام في ھذا المقام أن علماء الإسلام اتفقوا علی جواز اطلاق الأسماء و صفات علی الباری تعالیٰ إذا ورد بھاالإذن من الشارع وعلٰی امتناعہ إذاوردالمنع عنہ ،واختلفوا حیث لا إذن ولا منع في جواز اطلاق ماکان سبحانہ وتعالٰی متصفاً بمعناہ ولم یکن من الأسماء الأعلام الموضوعۃ في سائر اللغات إذلیس جوازا طلاق علیہ تعالیٰ محل نزاع أحد ،ولم یکن اطلاقہ موھماً نقصاً بل کان مشعراً بالمدح فمنعہ جمھور أھل الحق مطلقاً للخطر وجوزہ المعتزلۃ مطلقاً ،ومال إلیہ القاضي أبوبکر لشیوع اطلاق خدا نحو وتکري من غیر نکیر فکان اِجماعاً ورد بأن الإجماع کاف فی الإذن الشرعي إذاثبت**''

اس مقام پر خلاصہ کلام یہ ہے کہ علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ باری تعالیٰ کے

بارے میں ان اسماء وصفات کا اطلاق (مطلق استعمال) جائز ہے بشرطیکہ ان کے بارے میں شارع سے (شریعت میں) اجازت وارد ہے اور یہ نام ممنوع ہیں اگر ان کی ممانعت وارد (یعنی ثابت) ہے۔ جن ناموں کے بارے میں نہ اجازت ہے اور نہ منع، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں ان کے جواز اطلاق میں اختلاف ہے اللہ ان ناموں کے مفہوم کے ساتھ موصوف ہے۔ تمام زبانوں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو نام لیے جاتے ہیں، ان کے جواز اطلاق میں کسی کا بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (اگر اللہ کے بارے میں ایسا نام لیا جائے جو ان زبانوں میں نہیں ہے) اور اس نام کے اطلاق سے اللہ کی مدح ہوئی ہے۔ نقص (خامی) کا وہم نہیں ہوتا تو جمہور اہل حق نے خطرے کے پیش نظر اسے مطلقاً منع کر دیا ہے جبکہ معتزلہ اسے مطلقاً جائز سمجھتے ہیں۔

قاضی ابوبکر بھی اسی طرف مائل ہیں (کیونکہ الٰہ ورب کے بارے میں) خدا اور (ترکی زبان میں) تکری کا لفظ بغیر انکار کے مطلقاً شائع (ومشہور) ہے پس یہ اجماع ہے (کہ خدا کا لفظ جائز ہے) اور رد کیا گیا (یا وارد ہوا کہ) بے شک اگر اجماع ثابت ہو جائے تو شرعی اجازت کے لئے کافی ہے'' [روح المعانی ج۵ ص۱۲۱ تحت آیۃ: ۱۸۰ من سورۃ الأعراف]

اس طویل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے لئے خدا کا لفظ بالا جماع جائز ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شاہ ولی اللہ الدہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) نے قرآن مجید کے فارسی ترجمے میں جا بجا، بڑی کثرت سے خدا کا لفظ لکھا ہے مثلاً دیکھئے ص۵ (مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ)

سعدی شیرازی (متوفی ۶۹۱ھ) نے بھی خدا اور خداوند کا لفظ کثرت سے استعمال کیا ہے مثلاً دیکھئے بوستان (ص۱۰)

مشہور اہل حدیث عالم فاخر الٰہ آبادی (متوفی ۱۱۶۴ھ) نے فارسی زبان میں ایک بہترین رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''رسالہ نجاتیہ'' ہے۔ اس رسالے میں انھوں نے ''خدا'' کا لفظ لکھا ہے مثلاً دیکھئے ص۴۲ اسی طرح اور بھی بہت سے حوالے ہیں۔ یہ کتابیں علماء وعوام میں مشہور ومعروف رہی ہیں۔ کسی ایک مسلمان نے بھی یہ نہیں کہا کہ ''خدا'' کا لفظ ناجائز یا حرام یا

شرک ہے۔ چودہویں پندرہویں صدی میں بعض لوگوں کا لفظ خدا کی مخالفت کرنا اجماع کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

فائدہ (۱): سنن الترمذی (۳۵۰۷) وغیرہ میں ایک حدیث مروی ہے جس میں اللہ کے ننانوے نام مذکور ہیں اس حدیث میں درج ذیل (۳۱) نام موجود ہیں جو کہ شیخ عبدالمحسن العباد کی ترتیب میں مذکور نہیں ہیں۔ **القابض ،الباسط ، الخافض ، الرافع ،المعز ، المذل ،العدل ،الجليل ،الباعث ،المحصي ،المبدئي ،المعيد ،المحيي ، المميت ، الواجد ،الماجد ،الوالي،المنتقم ،مالک الملک ،ذوالجلال والإكرام، المقسط ،الجامع ،المغني،المانع ،الضار ،النافع، النور،البديع ، الباقي ،الرشيد ،الصبور.**

اس روایت کی سند ولید بن مسلم کی تدلیس التسویہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فائدہ (۲): اسمائے حسنیٰ میں الاول سے مراد اللہ ہے، دیکھئے صحیح مسلم (۲۷۱۳)

بعض الناس ''الاول'' سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لیتے ہیں لیکن اس کی کوئی دلیل کتاب وسنت و اجماع وآثارِ سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔ **وما علينا إلا البلاغ**

[۲۷ جولائی ۲۰۰۵ء بیاڑ تحصیل کلکوٹ، کوہستان، دیر بالا]